ہفت روزہ
الفتح
کراچی
۲۸ اپریل ۵ مئی ۱۹۷۸ء
مسئلہ کشمیر خفیہ سمجھوتہ اور بھٹو
خصوصی رپورٹ صفحہ ۵ پر
قیمت ۲ روپے

سامراجی ایجنٹ

میں ایک عام پاکستانی لڑکی ہوں میں آپ کے ذریعے سے سامراجیوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں کہ وہ اتنی جلدی اتنے واضح طور پر کھل کر عوام کے سامنے آگئے۔ میرے خیال میں جتنا آج کے بنگالی، سیلونی ہندی اور پاکستانی عوام ذہنی طور پر جاگ گئے ہیں اتنا پہلے نہیں تھے۔ اور خوشی یہ ہوئی کہ ہم سب میں مذہب سے قطع نظر ذہنی ہم آہنگی جتنی آج ہے اتنی پہلے کبھی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ ہمارے سیاسی ایجنٹ جس طرح آج صاف نظر آ رہے ہیں وہ پہلے کبھی نظر آنا تو درکنار بلکہ پہچانے بھی نہیں جاتے تھے جیسے ان لوگوں نے پہلے ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی پیٹھ میں خنجر گھونپا تھا اب کم از کم اس طرح وار نہ کر سکیں گے۔ میں کوئی مومن یا ولی نہیں لیکن میں یہ پیشین گوئی کرتی ہوں کہ اس اپریل کے ختم ہوتے ہوتے بالادستوں کے زوال کا امکان ہے میں نے ایوب، یحییٰ اور پھر بھٹو کے زوال کی بات بھی کی تھی لیکن آپ سب لوگ دعا کریں کہ ملک میں خونریزی نہ ہو چلیں میں سامراج کے کردار کو بھولنا نہیں چاہیئے۔ ہم تو ویسے بھی اختلاف کی جڑوں میں گھرے ہیں جہاں ہم چار قومیں ہیں۔

ایک بہن - کراچی۔

مودودیت کے خلاف

حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی نے صاف فرما دیا تھا کہ "میرے نزدیک یہ جماعت اسلامی اپنے اسلاف (یعنی مرزائی) سے بھی زیادہ مسلمانوں کے دین کے لیئے ضرر رساں ہے" مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے اس قول کی صداقت پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ مودودی تحریک خارجیت کی نئی اور انتہائی خطرناک صورت ہے۔" تیس چالیس سال تک جب تک ان کا خارجیت زندہ رہا۔ زبانوں پر ان الحکم الا اللہ اور ہاتھوں سے مسلمانوں کے گلے کاٹنے، ان پر نیزہ چلانے ان کے خنجر بھونکنے میں مصروف .... اس مسلم کشی کے سوا اپنی تاریخ میں مقابلہ و مقاتلہ نہ کسی یہودی سے نہ مجوسی سے سارا جہاد و قتال مسلمانوں کے خلاف رہا آج تیرہ سو سال بعد وہی نعرے اسی جوش و خروش کے ساتھ زبانوں پر جاری ہوئے ہیں تو تاریخ اپنے آپ کو کیوں نہ دہرائے مدمقابل کے لیئے قومی اور ملی مسلمانوں کے بجائے کسی غیر مسلم کی کیوں تلاش ہو۔"

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے ہی اور کلام پاک کے حوالے سے بھی یہودی اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔ خارجیت، حسن بن صباح، مرزائیت اور مودودیت یہ سب اسلامی لیبل لگا کر یہودیوں نے کھڑے کیئے ہیں۔ ان کا سدباب بھی منظم اور محرک منصوبہ بندی سے ہی ہو سکتا ہے اول تو تمام اسلامی ممالک میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً مودودیت کے فتنے کے متعلق کتابچے شائع کر کے گھر گھر پہنچائے جائیں۔ دوسرے فلسطینیوں سے فوری رابطہ قائم کر کے ایسی تمام کمپنیوں اور فرموں کی فہرست حاصل کی جائے جن کا مال ملک میں درآمد ہوتا ہے تاکہ ان کی خریداری پر اور ان کے مال کے درآمد پر فوری پابندی لگانے کا عوامی مطالبہ اس شدومد سے ہو کہ "مسیح موعود" اور اس کے حواری بھی انکار نہ کر سکیں۔

سلیمہ حمید علیخان - راولپنڈی۔

ٹینکر کے ٹھیکیدار

پٹرولیم اٹھانے والے ٹھیکیداروں کی ایسوسی ایشن نے حکومت سے پرزور اپیل کی ہے کہ محکمہ ایکسائز نے اس مشکل دور میں جبکہ پہلے ہی ٹینکر لاریوں کی کمی ہے ۱۹۲۹ء کے قانون پر عملدرآمد کرانے کے لیئے جس قدر مشکلات پیدا کی جا رہی ہیں اس سے پٹرولیم اٹھانے والے ٹھیکیداروں میں سخت تشویش پائی جاتی ہے اور بہت سے ٹھیکیدار اس کام کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ہیں کیونکہ اس قانون کا اطلاق صرف پنڈی پر ہے پورے پاکستان میں جو ٹینکرز چل رہے ہیں ان پر اطلاق نہیں ہوتا ہے۔ اس لیئے ایسوسی ایشن حکومت سے اپیل کرتی ہے کہ اس قانون کی آڑ میں محکمہ EXPLO جو رکاوٹیں پیدا کر رہا ہے ان کا سختی سے نوٹس لیا جائے تاکہ علاقہ میں تیل کی قلت پیدا نہ ہو۔

راجہ محمد نیاز خان
صدر ایسوسی ایشن

بیٹا مرغی ڈھونڈو

الفتح ۲۴ تا ۳۱ مارچ کے ہفت روزہ میں بعنوان "پرانی سیاست گری خوار ہے" منہاج برنا کا مضمون نظروں سے گزرا۔ حقائق کا بہترین تجزیہ اور حالات کا صحیح آئینہ ہے حقیقت یہ ہے کہ ہمارا ملک واقعی ایک بدنصیب ملک ثابت ہوا ہے اب تک مخلص اور دیانتدار قیادت کے فقدان نے طالع آزماؤں کی من مانی کا موقعہ فراہم رکھا ہے۔ اس خطہ کو ایک تجربہ گاہ بنا لیا گیا ہے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۸ء تک سیاسی بازی گر کمال شعبدے دکھاتے رہے ۱۹۵۸ء سے عجیب ریت چل رہی ہے ایک مدت کے بعد اس ستم ظریف کو ایک سول حکومت میسر ہوئی جس کے طریقہ کار اور نظریات سے اختلاف بجا لیکن اس وقت اور اب کے حالات کے پیش نظر ہم یہ باور کرتے ہیں کہ کچھ نہ ہونے سے کچھ تو بہتر تھا۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ آخر وہ کونسے عوامل ہیں جو ہمیں جمہوریت اور معاشی حقوق سے محروم رکھے ہیں سندھی لوک کہانی کے مطابق جب کسی شخص کی مرغی چوری ہو گئی تو اس نے مرغی کو حقیر جان کر اس کی تلاش بے سود سمجھی جبکہ اس کے والد نے اس کی اس روش پر اسے سخت تنبیہ بھی کہ بیٹا مرغی ڈھونڈو۔ مگر بیٹے نے باپ کی نصیحت پر کان نہ دھرے نتیجتاً بھینس کا بچھڑا چوری ہو جاتا ہے باپ اصرار کرتا ہے بیٹا مرغی ڈھونڈو مگر بیٹے کو باپ کی نصیحت معقول نظر نہ آئی کہ بیل چوری ہو جاتا ہے باپ کا اصرار بڑھتا ہے کہ بیٹا مرغی ڈھونڈو۔ بیٹے کو غصہ تو آیا مگر باپ کی عمر کے پیش نظر خاموش رہا۔ اور سلسلہ چوریوں کا بڑھنے لگا۔ ادھر باپ مرغی کی تلاش پر مصر رہا تو بیٹے نے سوچا کہ آخر تلاش میں کیا حرج ہے چنانچہ اس نے باپ کی نصیحت پر عمل کیا۔ اور مرغی کی تلاش کرنے کی ٹھان لی۔ آخر کار تلاش بسیار کے بعد وہ مرغی کو ڈھونڈ لیتا ہے۔ مرغی ملنے کے ساتھ اس کی بقیہ چوریوں کا سراغ بھی مل گیا۔ اور وہی ایک چور تھا جس نے مرغی سے بیل تک چوری بڑھائی۔ مگر بوڑھے کی فراست نے پہلے روز ہی بھانپ لیا تھا کہ مرغی چور ہی دراصل بیل چور ہے یہی کچھ حال ہمارا بھی ہے ہمیں نوآبادکاروں سے جو نظام ورثہ میں ملا۔ نوکر شاہی اور اسی قسم کے دوسرے ادارے بھی اسی نظام کا دم چھلہ ہیں۔ لیکن ہم نے کبھی اس بات پر غور بھی نہیں کیا کہ عوام جو اس ملک کے وارث ہیں اور جس میں کسانوں اور محنت کشوں کی اکثریت ہے ان کو حکومت سے محروم اور الگ کیوں رکھا جاتا ہے جو بھی حکمران آیا اس نے عوام اور اپنے درمیان فاصلہ رکھا۔ اگر کبھی کوئی ہمدرد (برائے نام ہی) کبھی اتفاق سے آیا بھی تو نوکر شاہی کی سازش نے دیوار کھڑی کر دی۔ ہمارے سیاستدانوں کو اس معاملہ پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے کہ آخر ایسا کیوں ہے اور اس سلسلہ کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے رجعت پسندوں کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے انہوں نے عوام کا ساتھ دینے کے بجائے مخصوص مفادات کے طبقوں کا ساتھ دیا۔ ۱۹۵۸ء سے مارشل لاء کی جو روایت چلی تھی ہنوز برقرار ہے جس کے نتائج تباہی اور کسمپرسی اب تک برقرار ہیں کیا مذہب اخلاق، انسانیت اور بین الاقوامی طے شدہ اصول اس چیز کی اجازت دیتے ہیں؟ اور عوام پر بندوق کے ذریعے کب تک حکومت کی جاتی رہے گی۔ نام نہاد اسلام پسند اس غیر اسلامی باتوں کو کیوں کر جائز منوانے کی سعی ناکام میں مصروف رہیں گے۔ ہمیں ذہن میں اس قسم کے سوالات اور عوامی حکومت کے قیام کے لیے صحیح اور مثبت انداز فکر اپنانا پڑے گا۔ ورنہ ہم ہمیشہ غلط روایات کی بھینٹ چڑھتے رہیں گے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک نادان عورت نے اپنی غلطی سے ایک مردہ مرغی پھینکنے کی بجائے پیر صاحب کے حوالے کر کے یہ جان لیا کہ مردہ تو تھی مفت میں ثواب مل جائے گا۔ مگر سال کے بعد پھر مرغی کا تقاضہ ہوا تو عورت سٹپٹا گئی مگر پیر صاحب نے یہ کہکر عورت کی سنی ان سنی کر دی کہ جب کوئی ایک بار نیاز دیتا ہے تو ہم ہر سال اس سے نیاز مانگنے کے حقدار ہیں اب ہمیں مرغی چاہیئے، چاہے وہ مردہ حالت میں ہی کیوں نہ ہو۔ خدا ہمیں خواہ مخواہ پیروں اور عادی چوروں سے بچنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور دعا ہے کہ خداوند کریم ہمارے ملک کو ارضی و سماوی آفات و آلام سے محفوظ رکھے آمین۔

اصغر علی شاہ
سیکریٹری اطلاعات جمعیت طلباء اسلام صوبہ سندھ۔

ہاریوں پر مظالم

آپ کے ہفت روزہ میں نواز بلوچ اور حبیب اللہ خان صدر و جنرل سیکریٹری بلوچستان فیڈریشن کونسل کا مراسلہ آنکھوں سے گزرا۔ یقین کیجئے دل پر ایک چوٹ سی لگی اور افسوس ہوا کہ موجودہ سامراجی ایجنٹوں کا انصاف کیا یہی ہے کہ مزدوروں اور خون پسینہ بہانے والوں کو قید و بند کی صعوبتوں میں ڈالا جائے ہاریوں کو بے دخل اور گولیوں کا نشانہ بنایا جائے۔ اور ان کے وفود میں شامل عورتوں کو لیس زندان کیا جائے! ہم مزدوروں کی سزاؤں اور ہاریوں پر ظلم و تشدد کی مذمت کرتے ہوئے ملک کے کرتا دھرتا افراد سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ سلسلہ فوری طور پر بند کیا جائے جو طوفان محنت کشوں کے سینوں میں پرورش پا رہے ہیں اس کو ہوا نہ دی جائے۔ ورنہ یہ مظلوم قہر الٰہی بنکر تخت و تاج کی دھجیاں بکھیر دیں گے۔ سیاسی سرگرمیوں پر پابندیوں کے باوجود کوثر نیازی اور ظہور الٰہی آزاد ہیں طلباء کے الیکشنوں کو سبوتاژ کیا جا رہا ہے اور ان پر مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ ہم ان کی آنکھیں اچھی طرح کھول دینا چاہتے ہیں جو کہتے ہیں مزدوروں کی ہم کھال ادھیڑ دینگے الٹا لٹکا دینگے ہم صاف بتا دینا چاہتے ہیں کہ پاکستان کے عوام صرف اور صرف بھٹو کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ اگر تم اتنے ہی بہادر ہو تو الیکشن کرا کے دیکھ لو۔

عبدالجبار اجڑو۔ لاڑکانہ۔

قید، کوڑے، جرمانہ

اس وقت وطن عزیز خطرناک بحران سے گذر رہا ہے صحافت پر پابندی عائد ہے اور

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

خاص مضامین

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

۲۸ اپریل ۵ مئی ۱۹۷۸ء	جلد : ۸ شمارہ : ۵۱	ٹیلیفون ۴۳۲۲۷۴	قیمت تین روپے

ارشاد راؤ پبلشر نے ناظر پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر
ہفت روزہ الفتح ۶۹-۵ ڈی نرسری کمرشل ایریا - پی، ای، سی، ایچ، ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا

پھر انتخابات کیوں نہیں

ابتداءً عرض ہے کہ

ہم اس بات پر بحث نہیں کریں گے کہ ملوکیت (بادشاہت) کی اسلام میں کس حد تک گنجائش ہے۔

ہم اس بات پر بحث نہیں کریں گے کہ تحریکِ پاکستان اور اس تحریک کے قائدین کی وفات کے بعد گھڑے جانے والے نظریۂ پاکستان اور مارشل لاء میں کیا تعلق اور مماثلت ہے۔

ہم اس بات پر بھی بحث نہیں کریں گے کہ قوم کے مزاج اور اس کی تمناؤں کو وہ لوگ زیادہ بہتر طور پر سمجھتے ہیں جنہوں نے ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن کی خاطر ہر مصیبت برداشت کی اور ہر قربانی کے لئے خود کو پیش کیا یا وہ لوگ جنہوں نے سماجی رتبے اور ذاتی آرام و آسائش کے لئے تاجِ برطانیہ سے وفاداری کا حلف اٹھایا۔

اور ہم اس بات کو بھی زیرِ بحث نہیں لائیں گے کہ قیامِ پاکستان کا مقصد جمہور کے منتخب نمائندوں کے ذریعے دستور مرتب کرنا اور کاروبارِ حکومت چلانا تھا یا اس ملک کو دستور اور سیاست کی آزمائش گاہ بنانا تھا۔

اس وقت تو ہماری توجہ دو شہادتوں پر مرکوز ہے۔ پہلی شہادت پاکستان ٹیلی ویژن نے مولوی محمد سعید صاحب، صحافی ابصار رضوی اور "خاموش ڈپلومیسی کے" بارگنگ انٹرپریٹر" مجیب الرحمٰن شامی کے تعاون سے پیش کی ہے۔ دوسری شہادت بی بی سی کی ہے جسے معتبر مانا جائے یا نہیں لیکن جس کے باخبر ہونے میں شک شبہے کی گنجائش نہیں ہے۔ ان دونوں ذرائع نے فکرمند پاکستانی قوم کو مژدہ سنایا ہے کہ ملک میں حالات معمول پر آچکے ہیں اور صورتِ حال پر پوری طرح قابو پا لیا گیا ہے۔

اس "خوشخبری" کے ساتھ ذہن اس حقیقت کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ ۵ جولائی ۷۷ء کو ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کا مقصد صرف اور صرف یہ متعین کیا گیا تھا کہ جلد از جلد نئے انتخابات منعقد کرواکر اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو سونپ دیا جائے۔ اور یہ سوال ابھرتا ہے کہ جب حالات پر قابو پا لیا گیا ہے تو پھر انتخابات منعقد کروانے میں کیا امر مانع ہو سکتا ہے؟ کیوں قومی حکومت بناکر ایک نیا تجربہ کیا جائے؟

میں نے خفیہ سمجھوتہ کیا ہو تو ناصر باغ میں مقدمہ چلایا جائے

*

معتبر ذرائع کے مطابق ۰، کلفٹن کراچی میں نظر بند مس بے نیظر بھٹو سے جب پوچھا گیا کہ شملہ مذاکرات میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور مسز اندرا گاندھی کے درمیان کیا کوئی خفیہ معاہدہ ہوا تھا تو مس بے نیظر نے کہا "شملہ جانے والے پاکستانی وفد میں، میں خود شامل تھی۔ شملہ مذاکرات کی چشم دید گواہ ہوں۔ مذاکرات کی کوئی بات بھی مجھ سے خفیہ نہیں۔ اور میں دعوی سے کہتی ہوں کہ شملہ کانفرنس میں کوئی خفیہ سمجھوتہ نہیں ہوا تھا۔ میں اپنے والد کی سیاست اور ڈپلومیسی سے پوری طرح

واقف ہوں۔ جناب بھٹو "لبمارک ڈپلومیسی" کے پیروکار نہیں کہ خفیہ معاہدوں پر یقین رکھیں۔ وہ عوامی سیاست پر یقین رکھتے ہیں۔ خفیہ سمجھوتوں کی حکمت عملی کو پسند نہیں کرتے۔ اُن کی پوری سیاسی زندگی کے سرسری جائزے سے ہی ان کی عوامی سیاست کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ وہ پاکستان کے پہلے سیاستدان ہیں جنہوں نے عوامی جلسوں میں امورِ خارجہ کے بارے میں باتیں کیں۔ عالمی سیاست کے موضوع پر تقریریں کیں۔ امریکہ جیسی بڑی طاقت کے وزیر خارجہ سائرس وانس کا خط بھی پنڈی کے عوام کو دکھایا۔ جو شخص اتنی کھلی سیاست کرتا ہو۔ اُس پر خفیہ سمجھوتے کا الزام لگانا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔"

گذشتہ ہفتے پیپلز پارٹی کی قائم مقام چیئرمین بیگم نصرت بھٹو نے کوٹ لکھپت جیل میں جناب بھٹو سے ملاقات کی۔ بیگم صاحبہ کے قریبی ذرائع کا کہنا ہے کہ انہوں نے بھی مسٹر بھٹو سے "خفیہ سمجھوتے" کے بارے میں سوال کیا۔ جناب بھٹو نے اس الزام کی سختی سے تردید کرتے ہوئے کہا کہ مخالفین جانتے ہیں کہ میں جیل میں بند ہوں اور زندان کی چار دیواری سے میں کسی الزام کی تردید نہیں کر سکوں گا۔ چنانچہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوتے وہ نت نئے الزامات لگا رہے ہیں۔ "خفیہ سمجھوتے" کا الزام لگانے والے یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ کشمیر کے عوام کو حق خود اختیاری دلوانا میری زندگی کا مقدس ترین فرض ہے۔ جب تاشقند میں ایوب خان نے دباؤ میں آ کر کشمیر کی سودے بازی کرنی چاہی تو سب سے زیادہ مخالفت میں نے ہی کی تھی۔ میں وزارت خارجہ کی کرسی پر لات مار کر عوام میں آ گیا تھا۔ یہ سب باتیں ریکارڈ پر موجود ہیں۔ یہ بات بھی ریکارڈ پر موجود ہے کہ قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کے بعد میں شملہ گیا تھا۔ اور اعلان شملہ کو پاکستان کی سیاسی جماعتوں اور رہنماؤں نے سراہا تھا۔ قائد حزب اختلاف ولی خان نے اعلانِ شملہ کی حمایت میں قومی اسمبلی میں زبردست تقریر کی تھی۔ البتہ پاکستان میں جماعت اسلامی اور بھارت میں جن سنگھ نے شور مچایا تھا کہ "خفیہ سمجھوتہ بھی ہوا ہے۔" جس کی نہ صرف میں نے بلکہ بھارتی حکومت نے بھی تردید کی تھی۔ دراصل جماعت اسلامی اور

جن سنگھ فرقہ پرست جماعتیں ہیں۔ اور یہ دونوں برِصغیر میں پُرامن حالات دیکھنا نہیں چاہتیں۔

مذکورہ ذرائع کے مطابق مسٹر بھٹو نے کہا کہ مجھ پر بڑے بھونڈے پن سے الزام لگایا ہے۔ ابتداً میں پاکستان پریس انٹرنیشنل (پی پی آئی) نے بھارتی دفترِ خارجہ کے ایک ترجمان کے حوالے سے خبر دی کہ شملہ میں بھٹو اور اندرا گاندھی کے درمیان خفیہ معاہدہ ہوا تھا۔ پی پی آئی وہی ادارہ ہے جسے موجودہ انتظامیہ نے معظم علی کے حوالے کر دیا ہے اور معظم علی کی امریکہ نوازی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ جوزف فارلینڈ جو سی آئی اے کا ایجنٹ تھا، معظم علی کا گہرا دوست تھا۔ اسی لئے میں نے معظم علی کو "فکس اپ" کرنے کی وارننگ دی تھی۔ اور جب پیپلز پارٹی برسرِ اقتدار آئی، تو معظم علی لندن چلا گیا۔ اب وہ مجھ سے انتقام لینے کے لئے جھوٹی خبریں جاری کروا رہا ہے۔ "خفیہ سمجھوتے" کی خبر کی اشاعت کے دو دن بعد ہی بھارتی وزیرِ اعظم مسٹر ڈیسائی نے اس کی تردید کر دی۔ مسٹر ڈیسائی وزیرِ اعظم ہیں۔ ظاہر ہے کہ شملہ مذاکرات کی فائل پڑھنے کے بعد ہی تردید کی ہو گی۔ لیکن بھارتی وزیرِ خارجہ اٹل بہاری باجپائی جو جن سنگھ کے لیڈر ہیں، ماضی کی حکمتِ عملی پر عمل پیرا ہیں۔ دراصل اعلانِ شملہ، جن سنگھ کے دیرینہ خواب اکھنڈ بھارت کے قیام میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ چنانچہ انہوں نے بھارتی پارلیمان میں بیان دیا کہ خفیہ سمجھوتہ نہیں، بلکہ "خفیہ مفاہمت" ہوئی تھی۔ اور اس کا اندازہ بقول ان کے، انہوں نے شملہ مذاکرات کی فائل اور مذاکرات میں موجود سرکاری حکام کی باتوں سے لگایا۔ بالفاظِ دیگر بھارتی وزیرِ خارجہ نے "خفیہ سمجھوتے" کی خود ہی تردید کر دی۔ کیونکہ معاہدہ خواہ کسی نوعیت کا ہو، تحریری ہوتا ہے۔ اور اس قسم کی کوئی دستاویز ریکارڈ پر موجود نہیں۔ اس لئے انہیں تردید کرنی پڑی۔ نیز یہ کہ مسٹر عزیز احمد جو شملہ مذاکرات میں موجود تھے، تردید کر چکے ہیں۔ اور میں پاکستان کے دفترِ خارجہ کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر شملہ مذاکرات اور اعلانِ شملہ کی فائل میں "خفیہ مفاہمت" کے بارے میں ذرا سا بھی اشارہ ملتا ہے، یا معاہدے کے متن سے کوئی شک و شبہ پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ یہ تمام باتیں منظرِ عام پر لے آئے۔ اگر میں نے کوئی خفیہ مفاہمت کی ہے۔ تو اس الزام میں ناصر باغ میں مجھ پر مقدمہ چلایا جائے۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ میرے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ میں نے خفیہ مفاہمت یا سمجھوتہ نہیں کیا تھا۔ میرے دونوں ہاتھ صاف ہیں۔

ادھر سیاسی مبصرین کا کہنا ہے کہ مسٹر بھٹو کے خلاف اس گھناؤنے پراپیگنڈے کا مقصد یہ تو نہیں کہ امریکہ، کشمیر کے بارے میں جو سودے بازی بھٹو کی موجودگی میں نہیں کرا سکا، اب خالی میدان دیکھ کر بھارت کو شہ دے رہا ہو، کہ موقع ہے، یہ الزام بھی بھٹو کے کھاتے میں ڈالا جا سکتا ہے۔

امریکی گندم کی درآمد میں گوگل شپنگ کی چاندی ہو گئی

بھیک کے لئے لوگوں کو بھوکوں مارنے کا عمل

الفتح رپورٹ

اناج کے معاملے میں ملک کو خود کفیل بنانے کا منصوبہ اس سال بھی دھرے کا دھرا رہ گیا۔ سرکار نے پروگرام بنایا تھا کہ اس سال سندھ میں ۲۳ لاکھ ایکڑ اراضی پر گندم کی کاشت کی جائے گی اور سندھ سے گندم کی پیداوار کا ٹارگٹ ۱۴۶۳۵ لاکھ ٹن مقرر کیا تھا لیکن پروگرام کے برعکس ۲۲۶۶۷ لاکھ ایکڑ اراضی پر گندم بوئی گئی اور ۳۳ ہزار ایکڑ پر کاشت نہیں ہو سکی جس کے نتیجے میں پیداوار ۱۲۶۲۵ لاکھ ٹن حاصل ہوئی۔ بالفاظِ دیگر پیداوار کا جو ٹارگٹ مقرر کیا گیا تھا اُس سے ۲۶۱۰ لاکھ ٹن کم گندم پیدا ہوئی۔

سرکار کے "ماہرین" مقررہ ٹارگٹ پورا نہ ہونے کی وجہ موسم کی خرابی بتاتے ہیں۔ بلاشبہ موسم خراب تھا۔ اور انسان نے ابھی اتنی ترقی نہیں کی کہ وہ موسم کو کنٹرول کر سکے۔ اس لئے خرابیٔ موسم میں نہ تو کاشت کاروں کا قصور ہے۔ اور نہ سرکار کا۔ لیکن کاشت کار بتاتے ہیں کہ موسم اتنا خراب بھی نہیں تھا کہ مقررہ ٹارگٹ پورا نہ ہوتا۔ گندم کی پیداوار میں کمی کے بنیادی اسباب کھاد اور اچھے بیج کی عدم دستیابی تھی۔ کھاد اور بیج نہ ملنے کی وجہ سے ۳۳ ہزار ایکڑ اراضی پر گندم کاشت نہیں کی جا سکی۔ کاشت کاروں کے مطابق کھاد سرکاری نرخ پر مارکیٹ میں دستیاب نہیں تھی۔ البتہ بلیک مارکیٹ میں بھاری مقدار میں موجود تھی۔ اور چور بازار میں کھاد کی قیمت حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے تقریباً سو فی صد زیادہ تھی۔ جو ایک عام غریب اور چھوٹے کاشت کار کی قوتِ خرید سے باہر تھی۔ اسی طرح عمدہ بیج کی قلت، عدم دستیابی اور گرانی کی شکایت پورے صوبے سندھ میں سنائی دی۔ کسانوں نے کھاد اور بیج کی فراہمی کے لئے شور و غوغا بھی کیا اور حکام سے اپیلیں بھی کیں۔ لیکن ان کی فریاد پر کسی نے بھی توجہ نہیں دی۔

سامراج کی پروردہ نوکر شاہی نے کھاد اور بیج کی مصنوعی قلت پیدا کر کے "اچھا" ہی کیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو ملک اناج کے معاملہ میں خود کفیل ہو جاتا اور خود کفالت کے حصول کے بعد یہاں کے عوام امریکی سامراج کو آنکھیں دکھانے لگتے جس سے نوکر شاہی کے آقائے ولی نعمت کو پریشانی ہوتی۔ اب اناج کی قلت کو دور کرنے کے لئے امریکہ سے مزید گندم منگوائی جائے گی اور جب پاکستانی عوام کے معدوں میں امریکی گندم جائے گی تو وہ لامحالہ "تھینک یو امریکہ" کہنے پر مجبور ہوں گے۔ کیوں کہ ہم اتنے ناشکرے بھی نہیں ہیں۔ اس طرح نہ صرف امریکی سامراج کی گرفت مضبوط ہو گی، بلکہ گوگل شپنگ کمپنی کی بھی چاندی ہو گی۔ جسے ٹنڈر طلب کئے بغیر "بلک کارگو" کا ٹھیکہ دے دیا گیا ہے۔

اندرونِ سندھ سے موصولہ اطلاعات کے مطابق محکمہ آبپاشی کے حکام نے چھوٹے اور غریب کاشت کاروں کو تنگ کرنے کا ایک نیا طریقہ یہ نکالا ہے کہ انہوں نے ۱۹۷۲ء سے ۴ جولائی ۱۹۷۷ء کے دوران دیئے جانے والے پانی کے کنکشنوں کی تحقیقات شروع کر دی۔ کاشتکاروں کا کہنا ہے کہ یہ کنکشن انہیں مروجہ قوانین کے مطابق ملے تھے۔ لیکن اب محکمہ آبپاشی کے حکام ان کنکشنوں کو "بھٹو کی سیاسی رشوت" قرار دے کر پانی بند کر رہے ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ صرف چھوٹے اور غریب کاشت کاروں کے کنکشنوں کو "سیاسی رشوت" قرار دیا جا رہا ہے۔

✱

ذاتی طور پر ممکن ہے میں بھی شریک نہ ہوں: مولانا مفتی محمود

حیات اور جسارت مشترکہ مشن پر گامزن ہیں

حمید شیراز

مجوزہ قومی حکومت کی تشکیل کا معاملہ ایک بار پھر کھٹائی میں پڑ گیا ہے پاکستان قومی اتحاد کی جماعتوں نے جس روز اپنے حتمی موقف کے ساتھ الیکشن سیل کے ارکان سے ملاقات کرنی تھی عین اسی روز اور عین اسی وقت نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی کے وفد نے ایک دھماکہ کیا کہ قومی حکومت جیسی غیر نمائندہ حکومت میں شریک ہونا وقت کی ضرورت اور ملک کے مفاد کے خلاف ہے اسی لئے ہم اس بات چیت میں شریک نہیں ہونگے این ڈی پی کے نامزد قائم مقام صدر عبدالخالق اور مسٹر عابد زبیری یہ بیان دیکر پشاور اور کراچی روانہ ہو گئے۔ مولانا مفتی محمود اور ان کے ساتھیوں پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ مذاکرات جو رات کے کھانے پر شروع ہو کر دیر تک جاری رہنے تھے صرف ۱۰ منٹ میں ہی ختم ہو گئے ڈنر مفتی صاحب اور چودھری ظہور الٰہی نے بازار کے شاہی کبابوں سے کیا مذاکرات ختم ہونے کے ڈیڑھ گھنٹے تک مفتی صاحب اور چودھری ظہور الٰہی اکیلے میں صورتحال کا جائزہ لیتے رہے۔ اخبار نویس دوسرے کمرے میں سمٹ کھٹتے رہے جب مفتی محمود نے اخبار نویسوں کو اذنِ باریابی عطا کیا تو چوہدری ظہور الٰہی دوسرے دروازے سے باہر جا چکے تھے کمرے میں شاہی کبابوں کی خوشبو اور مفتی صاحب کے ہاتھ میں فیملی پلاننگ کی جانب سے جاری ہونے والا چپاتیوں کا چھلا باقی رہ گیا تھا۔ مفتی صاحب نے کہا کہ ہم نے کوئی پیشگی شرط قومی حکومت میں شرکت کی عائد نہیں کی ہے دوسرے ہی سانس میں فرمایا کہ ہم کوثر نیازی کے ساتھ قومی حکومت میں شامل نہیں ہونگے۔ ایک اخبار نویس نے پوچھا قومی اتحاد کے ۲۳ نکات کی کیا پوزیشن ہے فرمایا وہ نکات جھگڑے کے لئے تھے ان کیساتھ ہی ہوا ہو گئے۔ یوں بھی اپنے ضمیر پر بوجھ کے ساتھ قومی حکومت میں شامل ہو رہے ہیں۔ پوچھا گیا کہ قومی حکومت میں شمولیت کی کیا صورت ہو گی۔ این ڈی پی کا موقف واضح ہے پی ڈی پی کے نوابزادہ نصر اللہ خان نے بھی کہہ دیا ہے کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ مسلم لیگ میں بھی اس مسئلہ پر ڈویژن ہے آزاد جموں وکشمیر مسلم کانفرنس نے یوں بھی شریک اقتدار نہیں ہونا۔ لے دیکر جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام باقی رہ جاتی ہیں۔ مفتی صاحب مسکرا کر بولے۔ ذاتی طور پر ہو سکتا ہے کہ میں بھی شریک نہ ہوں۔ مفتی محمود صاحب نے یہ بھی سچ بات کہی ہے ان کی اپنی جمعیت بھی قومی حکومت میں شریک اقتدار نہیں ہونا چاہتی۔ مگر مجبوری ہے کہ اگر وہ بھی شریک نہ ہوں تو پھر پاکستان پیپلز پارٹی کے نام پر مولانا کوثر نیازی اور ان کے ساتھی جو شریک اقتدار ہو جائیں گے ہماری مصدقہ اطلاعات ہیں کہ پاکستان قومی اتحاد کی جانب سے مولانا مفتی محمود نے عبوری حکومت کو قومی حکومت میں شرکت کا یقین دلا دیا ہے بات ذرا ایسے ہچکولے دے کی ہے مفتی محمود نے اعلان کر دیا ہے کہ قومی حکومت میں کوئی بھی شخص وزیر ہوگا۔ تو وہ پاکستان قومی اتحاد کا نمائندہ اور ہمارے اجتماعی فیصلوں کا پابند ہوگا کیونکہ ہر جماعت کا رکن تو وزارت میں نہیں بھیجا جا سکتا۔

مفتی محمود کی جانب سے اس شرط پر کہ اگر قومی حکومت میں مولانا کوثر نیازی شریک ہوئے تو ہم شریک نہیں ہونگے مولانا کوثر نیازی چراغ پا ہیں انہوں نے حسب عادت الزامات کا رخ ایک بار پھر اپنے دیدہ ور کی جانب موڑ دیا ہے اور کہا ہے کہ مظالم کا فیصلہ علیحدہ ہوتا تھا وہ مشنیری بھی علیحدہ تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو میرے قتل کا منصوبہ کیسے بنتا اور کابینہ کے ارکان کے خلاف فائلیں کیسے کھلتیں مولانا کوثر نیازی دیدہ وری میں رقم طراز ہیں۔ کہ مجھے جناب قائد عوام کی

خلوتوں اور جلوتوں میں شریک ہونے کا فخر حاصل ہے خلوت اور جلوت میں شریک ہونے والے شخص کو تمام باتوں کا علم ہوتا ہے مسٹر بھٹو آخر جن تو نہیں تھے کہ خلوت اور جلوت میں شریک افراد کے علم میں لائے بغیر بھی مظالم کرتے اور کراتے رہتے تھے۔ مولانا کوثر نیازی نے کہا ہے کہ پیپلز پارٹی کے دو واضح حصے ہیں۔ ایک حصہ تخریب کاری اور دوسرا تعمیری سرگرمیوں پر یقین رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسرے حصے کو ہی قومی حکومت میں شریک اقتدار کیا جائے گا۔ کہ اس کی نمائندگی ہم لوگ کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ ۲،۱۹۷۲ سے جولائی ۷۷ء تک شریک اقتدار رہنے والے تمام افراد کا جب

تک محاسبہ نہ ہو جائے انہیں اس حکومت میں شریک نہیں ہونا چاہیئے۔ کوثر نیازی صاحب اگر واقعی محاسبہ ہو گیا تو پھر آپ کا اور آپ کے تمام ساتھیوں کا خدا ہی حافظ ہے مگر ایسا اس لیے نہیں ہوگا کہ صرف آپ کو شریک اقتدار کر کے ہی مسٹر

(باقی صفحہ ۴۳ پر)

الفتح جائزہ

اصولوں پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہو گا، برنا

لاہور میں ایپنک اور پی ایف یو جے کی مشترکہ مجلس عمل کے ۲۳ اپریل ۷۸ء
اجلاس کا ایک منظر۔ جناب منہاج برنا اجلاس کی صدارت کر رہے ہیں

آزادیٔ صحافت کی تحریک فتح تک جاری رہے گی

پی ایف یو جے اور ایپنک کی تاریخ سیاہ قوانین اور صحافت پر پابندی کے خلاف طویل جدوجہد اور تاریخ ساز قربانیوں سے عبارت ہے۔ اس کٹھن راہ میں ہر دور کے حکمرانوں، نوکر شاہی، رجعت پسندوں اور ان کے ایجنٹوں نے ہمیشہ روڑے اٹکائے، دیواریں کھڑی کیں، کانٹے بچھائے مگر اصولوں کا پرچم لے کر آگے بڑھنے والی قیادت اور پریس کارکنوں کی اکثریت کبھی سرنگوں نہ ہوئی۔ ہر قسم کے مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ کبھی بھی کسی قربانی سے منہ نہ موڑا۔ یہی وجہ ہے کہ پی ایف یو جے اور ایپنک ہر امتحان میں سُرخرو اور کامران ہوتیں۔ اور بدخواہی کی آگ میں جلنے والے رجعت پسند اور کالی بھیڑیں ذلت اور شکست کے زخم چاٹتی رہیں۔ اپریل ۱۹۷۰ء میں پی ایف یو۔ جے کی قیادت میں عبوری امداد اور آزادیٔ صحافت کے لئے ملک گیر دس روزہ ہڑتال ہوئی۔ ہڑتال سے قبل اس مسئلہ پر خفیہ رائے شماری کے ذریعہ عام کارکنوں سے اس کی حمایت اور مخالفت میں رائے طلب کی گئی تھی

تقریباً ۹۹ فیصد انڈسٹری کے لوگوں نے ہڑتال کی حمایت کی تھی لیکن جب امتحان کا موقع آیا تو اس وقت کے وزیر اطلاعات نواب زادہ شیر علی اور جماعت اسلامی کے تنخواہ دار ایجنٹوں نے اس ہڑتال کو ناکام بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا مگر کارکنوں کے وسیع تر اتحاد اور ولولہ انگیز جدوجہد کے نتیجے میں حکمران طبقے اور اس کے وظیفہ خواروں کو ذلت آمیز شکست ہوئی۔ حکومت کو عبوری امداد دینے کا فیصلہ کرنا پڑا لیکن حکمران طبقہ اور جماعت اسلامی نے اپنے انتقام کی آگ کو سینکڑوں صحافیوں کو بے روزگار کر کے ٹھنڈا کیا۔ پریس انڈسٹری میں جماعت اسلامی کے کارندوں نے اس وقت نعرہ لگایا تھا کہ ”ایک ترقی پسند صحافی کی بے روزگاری سے ایک حج کا ثواب ملے گا“۔

اس کے برعکس پی ایف یو جے نے اپنی اصولی جدوجہد کی راہ میں نظریات کو رکاوٹ بننے کی اجازت نہ دی۔ اس کے سامنے ہمیشہ ایک اصول رہا کہ پریس کی صنعت کو کنٹرول کرنے والے تمام سیاہ قوانین بشمول پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈی نینس منسوخ کئے جائیں۔

نثار عثمانی سکریٹری جنرل پی ایف یو جے

پی ایف یو جے اور ایپنک کے صدر و چیئرمین جناب منہاج برنا نے اپنے ایک بیان میں اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”ہماری یونین کا کبھی یہ موقف نہیں رہا کہ پریس کو صرف آزادی دی جائے اور وہ کسی طرح کی ذمہ داری قبول نہ کرے۔ اگر کوئی اخبار یا صحافی قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے تو اس کے خلاف انتظامی یا غیر معمولی قوانین کے تحت کارروائی نہ کی جائے بلکہ عام قوانین کے مطابق کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا

جائے اور اسے صفائی کا وہی موقع دیا جائے جو ایک شہری کا حق ہے۔ خصوصی قوانین، خصوصی عدالتیں اور ٹریبونلز، انصاف کے منافی ہیں۔"

پی ایف یو جے اور اپنک کے اس واضح اصول کی روشنی میں، ہر دورِ حکومت میں، جب بھی ضرورت پیش آئی تاریخ ساز جدوجہد کی گئی۔ پیپلز پارٹی کے دور میں جب بھی سیاہ قوانین کا استعمال ہوا بلا خوف و خطر احتجاج کیا گیا۔ مساوات لاہور کے کارکنوں کے حقوق غصب کئے گئے تو لاہور جلو تحریک شروع ہوئی۔ مہران، جسارت، ڈان، حریت، زندگی کے خلاف انتقامی کارروائی ہوتی تو پی ایف یو جے نے کسی قسم کے تعصب کو اپنی راہ میں حائل نہ ہونے دیا۔ اور ان کی بحالی کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ یہ الگ بات ہے کہ خود جسارت کی انتظامیہ نے اخبار پر پابندی خندہ پیشانی سے برداشت کر لی اور کارکنوں کو بقایا جات ادا کئے بغیر اور انہیں کسی قسم کی یقین دہانی کرائے بغیر عجلت میں اخبار بند کرنے کا نوٹس لگا دیا۔

جو لوگ پی ایف یو جے اور اپنک کی جدوجہد اور قیادت پر کیچڑ اچھالتے ہیں، انہیں کم از کم اپنے گریبانوں میں ضرور جھانک لینا چاہیئے ہمیں یقین ہے کہ اگر ان کے وجود میں ضمیر نام کی کوئی چیز موجود ہے تو ان کا جھوٹ کھل جائے گا۔ بے ضمیروں کے اس ریوڑ کو کل آزادیٔ صحافت خطرے میں نظر آتی تھی لیکن آج آزادیٔ صحافت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہے۔ سارے سیاہ اور عوام دشمن قوانین ختم کر دیئے گئے اور پریس کو اس کے ضمیر کے مطابق کام کرنے کی مکمل آزادی دے دی گئی ہے۔ رجعت پسند اخبارات چاہے جتنی کاسہ لیسی کریں، مگر عوام جانتے ہیں کہ پریس کے حالات پہلے سے بدتر ہیں۔ اور ان بدترین حالات میں ہر طرف چین اور سکون کا گیت گانے والے مراثیوں کا ٹولہ تو ہو سکتا ہے، باضمیر صحافی نہیں ہو سکتے۔

احفاظ الرحمٰن جنرل سکریٹری کے یو جے

نسیم الحق عثمانی صدر اپنک کراچی

مساوات لاہور کو بند کر کے اس کے پریس کو سیل کر دیا گیا۔ اخبار کے مدیر مسٹر بدر الدین اور افسر نگار خاص ملک کے ممتاز ادیب اور شاعر ظہیر کاشمیری پابند سلاسل ہیں۔ اس سے قبل مساوات کراچی پر بھی پابندی لگائی گئی تھی جو پی ایف یو جے اور اپنک کی جدوجہد کے نتیجے میں ختم ہو گئی۔ ہفت روزہ نصرت میں غیر معمولی حالات ہیں، اس کے ایڈیٹر اور بعد ازاں قائم مقام ایڈیٹر مختلف قسم کی پابندیوں، دھونس اور دھمکی کی وجہ سے مستعفی ہو چکے ہیں۔ روزنامہ صداقت کے ایڈیٹر بشیر رانا کو گرفتار کیا جا چکا ہے۔ روزنامہ امن، روزنامہ تعمیر راولپنڈی، ہفت روزہ معیار، ہفت روزہ الفتح اور دیگر متعدد اخبارات و جرائد کو زرِ ضمانت کے نوٹس جاری کئے جا چکے ہیں۔ صحافیوں کی گرفتاری اور ان کے خلاف سزاؤں کا سلسلہ جاری ہے۔ اختلاف رائے ظاہر کرنے والے اخبارات اور جرائد کو ہراساں کیا جا رہا ہے۔ انہیں پابندی لگنے اور پریس کو ضبط کرنے کی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے پریس انڈسٹری کی مجموعی صورت حال انتہائی سنگین ہے۔ جماعت اسلامی کے اشارے پر انڈسٹری سے روشن خیال صحافیوں اور پریس ورکروں کو نکالنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔

دوسری طرف پریس ورکرز ملک کی بگڑتی ہوئی اقتصادیات اور روز افزوں مہنگائی کی بھی زد میں ہیں۔ دوسرے ویج بورڈ کے نتیجے میں جو تھوڑی بہت اقتصادی سہولت حاصل ہوئی تھی وہ موجودہ حالات میں بے اثر ہو کر رہ گئی ہے۔ پی ایف یو جے اور اپنک جہاں آزادیٔ صحافت کی بحالی کی علمبردار ہیں وہاں پریس کارکنوں کے مفادات اور اقتصادی وسائل میں بہتری لانے کی بھی دعویدار ہیں۔ چنانچہ پی ایف یو جے اور اپنک نے آٹھ نکاتی مطالبات کی بنیاد پر ایک بار پھر اپنی جدوجہد کا آغاز کیا ہے۔ مطالبات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱: تمام پریس کارکنوں کو دس فیصد مہنگائی الاؤنس دیا جائے۔ جون ۱۹۷۷ء سے بقایا جات ادا کئے جائیں۔

۲: کرایہ مکان ۱۵ فیصد کی بجائے بنیادی تنخواہ کا ۵۰ فیصد دیا جائے۔

۳: ویج بورڈ کے بعد مہنگائی میں جو اضافہ ہوا ہے اس کے پیشِ نظر بنیادی تنخواہ کے ۵۰ فیصد کی شرح سے اضافی مہنگائی الاؤنس دیا جائے۔

۴: روز افزوں مہنگائی کے پیشِ نظر ہر سال مہنگائی کے تناسب سے سالانہ مہنگائی الاؤنس میں اضافہ کیا جائے۔ اور اس کے تعین اور عمل درآمد کی ذمہ داری ویج بورڈ کے سپرد کی جائے۔

۵: ویج بورڈ کی کارکردگی بہتر بنائی جائے مقدمات کے جلد تصفیے کے لئے اقدامات کئے جائیں اور اس میں مزید دو ججوں کا تقرر کیا جائے۔

ان پانچ اقتصادی مطالبات کی بنیاد پر صحافیوں اور پریس ورکروں کی تنظیموں نے جو جدوجہد شروع کی تھی، اس کی آخری تاریخ ۱۶ اپریل ۱۹۷۸ء رکھی گئی تھی۔ اس دوران اخبارات اور نیوز ایجنسیوں کے دفاتر میں کارکنوں کے جو اجتماعات ہوتے ان سے پی ایف یو جے، اپنک کراچی اور کے یو جے کے مقامی رہنماؤں نے خطاب کیا اور مطالبات پر روشنی ڈالی۔

اسی دوران مساوات لاہور اور اس کے پریس کو بند کر دیا گیا۔ اس کے ایڈیٹر، افسر نگار خاص اور پبلشر جناب ایس جی ایم بدر الدین، ظہیر کاشمیری اور میر جمیل الرحمٰن کو گرفتار کر لیا گیا۔ نئی صورتِ حال سے نمٹنے کے لئے پی ایف یو جے اور اپنک کی مجالس عاملہ کے اجلاس لاہور میں ہوئے اور اتفاق رائے سے مزید دو نکات کا اضافہ کر کے ملک گیر سطح پر جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اضافی دو نکات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱: مساوات اور اس کے پریس کو بحال کیا جائے

۲: گرفتار صحافیوں کو رہا کیا جائے۔ زرِ ضمانت کی طلبی کے نوٹس واپس لئے جائیں۔ اخبارات سے پابندی ختم کی جائے۔ اور پریس اینڈ پبلی کیشن آرڈی نینس سمیت تمام سیاہ قوانین منسوخ کئے جائیں۔

پی ایف یو جے اور اپنک کی مجالس عاملہ نے مطالبات کی منظوری کے لئے ۲۳ اپریل ۱۹۷۸ء تک مہلت دی تھی۔ اور اعلان کیا گیا تھا کہ اگر اس تاریخ تک مطالبات منظور نہیں کئے گئے تو لاہور میں جدوجہد

(باقی صفحہ ۴۳ پر)

قومی حکومت نہ بنی تو ریفرنڈم ہوگا!

۱۹۷۳ کا آئین بھی منسوخ ہو سکتا ہے

پی این اے اپنے گلے میں پھانسی کا پھندہ ڈلوانے سے گریز کر رہی ہے!

پچھلا ہفتہ "قومی حکومت" کا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ قومی حکومت بنی کہ بنی مگر موجودہ ہفتہ قومی حکومت کے لیے بہت ہی منحوس ثابت ہوا۔ قومی حکومت کا پلان تو ٹائیں ٹائیں فش ہوتا نظر آتا ہے۔ بلکہ اب تو پی این اے کا بچا کھچا ڈھانچہ بھی آج گیا کہ کل گیا۔ ویسے پی این اے کے باقی بچے ہوئے حصے کی تباہی کا اشارہ گزشتہ ہفتے مسلم لیگ کے چودھری ظہور الٰہی کے ساتھ بات چیت سے مل گیا تھا۔ جب وہ مسلم لیگ کے رہنما خواجہ خیرالدین کی صاحبزادی کی شادی کی تقریب میں شرکت کے لیے یہاں آئے ہوئے تھے چودھری صاحب سے جب اس اندیشے کا اظہار کیا گیا کہ اگر پی این اے کی سب پارٹیاں قومی حکومت میں شامل ہونے پر راضی نہیں ہوئیں تو کیا پی این اے باقی رہے گا؟ تو چودھری صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تھا "ابھی تو یہ وقت نہیں آیا بس انتظار کریں۔" ویسے انہوں نے بڑے وثوق سے کہا کہ ۲۸ اپریل تک حکومت بن جائے گی۔

کسی صاحب نے "قومی حکومت" کی تجویز پر بہت ہی دلچسپ تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "ایسا لگتا ہے کہ قومی حکومت ایک ایسا جھنڈا ثابت ہوگی جس کے ذریعے پی این اے کا باقی حصہ پھانسی پر چڑھ جائے گا۔ معتبر سیاسی ذرائع کے مطابق اب قومی حکومت کے بدلے "مخلوط حکومت" قائم کرنے کی تجویز پر کام ہو رہا ہے۔ اس قسم کی حکومت میں مسلم لیگ کا ایک گروپ، جماعت اسلامی اور پی پی کے نام نہاد لبرل گروپ کے بندے شامل کیے جائیں گے مگر کچھ سیاسی حلقے پیش گوئی کر رہے ہیں کہ "قومی حکومت" کی تجویز کی ناکامی کے بعد اب کوئی سیاسی حکومت نہیں بنتی۔ ان ذرائع کے مطابق حالات جیسی رخ پر جا رہے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس ماہ کے آخر تک آئین کو مکمل طور پر منسوخ کر کے ملک میں صدارتی نظام قائم کر دیا جائے گا اور سی ایم ایل اے صاحب صدر بننے کے بعد ریفرنڈم کرائیں گے۔ یہ ذرائع اپنے اس رائے کی حمایت میں سی ایم ایل اے صاحب کے اس بیان کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو انہوں نے سعودی عرب کے دورے کے بعد یہاں پہنچنے پر دیا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ "مجھے سعودی عرب میں پاکستانی باشندوں نے مشورہ دیا ہے کہ آپ سیاست وغیرہ میں نہ پڑیں۔ اصلاحات وغیرہ کریں اور بعد میں الیکشن کرائیں۔"

ملک جس سنگین سیاسی بحران سے گزر رہا ہے اس سے نکلنے کے لیے بہر حال "قومی حکومت" کی تجویز سامنے آئی تھی کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ قومی حکومت بننے سے ملک میں موجود سیاسی محاذ آرائی کم کرنے میں مدد ملے گی۔ اس سلسلے میں ہماری گزشتہ دنوں کئی سیاسی رہنماؤں سے بات چیت کرنے اور مختلف سیاسی جماعتوں کی سوچوں کا قریب سے جائزہ لینے کا موقع ملا تھا ہر سیاسی رہنما اس بات پر اٹک جاتا ہے بلکہ اسے اس بات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ عوام بھٹو کے ساتھ ہیں پنجاب کی ایک انتہائی اہم سیاسی شخصیت جو ماضی میں پنجاب کی سیاست میں اہم کردار ادا کرتی آئی ہے اور جس کے بارے میں پھر اخبارات میں خبریں شائع ہو رہی ہیں کو ایک نجی ملاقات میں تسلیم کرنا پڑا کہ پنجاب میں بھٹو ۱۹۷۰ سے کہیں زیادہ مضبوط ہے انہوں نے اپنے علاقے کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ خود میرے کسان بھی اس بار بھٹو کے ساتھ ہیں اس سیاسی شخصیت نے ملک کی موجودہ سیاسی محاذ آرائی پر بہت زبردست تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ حالت جاری رہی تو مجھے تو یہ ملک چند ماہ کا مہمان نظر آتا ہے انہوں نے پر تشویش لہجے میں کہا کہ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ ملک میں ایک ہی وقت متوازی اور افقی ٹکراؤ ہوگا ہمیں تو دونوں طرف کے لوگ ٹکڑے ٹکڑے کر کے لے جائیں گے انہوں نے کہا کہ لوگ محسوس نہیں کرتے کہ بھٹو کو پھانسی دینے سے اندرونی اور بین الاقوامی ردعمل کیا ہوگا اس سیاسی شخصیت نے اس بات پر بھی افسوس ظاہر کیا کہ ایک طرف پی این اے حکومت کی نمبر ۲ ٹیم بن کر رہ گئی ہے دوسری طرف مارشل لا حکومت کو مشورے دینے والے صحیح مشورہ نہیں دیتے۔ اب ان کے شیر اے کے بروہی اور مولا بخش سومرو جیسے لوگ ہیں جو فقط ایسے مشورے دیتے ہیں جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ مارشل لا حکومت خوش ہوگی۔"

اسی طرح حال ہی میں ہماری مسلم لیگ کے صف اول کے دو رہنماؤں سے بھی ملاقات ہوئی جن میں سے ایک کا تعلق پنجاب سے اور دوسرے کا کراچی سے ہے ان دو صاحبان کو بھی یہ بات تسلیم کرنی پڑی کہ عوام بھٹو کے ساتھ

ہیں مگران صاحبان کی بہرحال یہ رائے تھی کہ یہ کوئی مشکل بات نہیں جس بات کی وجہ سے لوگ بھٹو کے ساتھ ہیں اگر وہ چیزیں عوام کو دیدی جائیں تو لوگ بھٹو کے ساتھ کیوں رہیں گے " ان کا خیال اصلاحات لانے کے بارے میں تھا جس کا ذکر سی ایم ایل اے صاحب نے بھی کیا جب ان صاحبان نے یہ رائے ظاہر کی تو وہاں بیٹھے ہوئے ایک اور صاحب نے ان صاحبان کی توجہ مبذول کراتے ہوئے کہا کہ فرض کریں کہ یہ چیزیں دینے سے لوگ بھٹو سے الگ ہو جائیں گے جب آپ یہ چیزیں لوگوں کو دیں گے تو مخصوص مفادات والے لوگ کیا آپکی حمایت جاری رکھیں گے۔ اس پر دونوں صاحبان اُچھل پڑے اور ایک صاحب نے بے ساختہ کہا۔ " یہ بات تو ہے' جب لاہور کے مسلم لیگ کے اجلاس میں ملک قاسم صاحب نے یہ "چیزیں" لوگوں کو دینے کی بات کی تو ان پر زبردست تنقید کی گئی اور ملک قاسم کو کمیونسٹ کہہ کر پکارا گیا۔

بہرحال قومی حکومت میں سیاسی پارٹیوں کی کیفیت کچھ یوں ہے کہ خود مسلم لیگ پگارو گروپ میں بھی دو دھڑے ہیں۔ جماعت اسلامی تذبذب کا شکار ہے این ڈی پی اس ڈرامے سے الگ ہو گئی ہے نوابزادہ نصر اللہ خان ملکی سیاست سے الگ ہو کر اپنے گاؤں کے ہو کر رہ گئے ہیں تحریک استقلال "وقت" اور کسی مخصوص اشارے" کی منتظر ہے جب وہ اپنا موقف کھل کر ظاہر کرے گی۔ وہ فی الوقت ٹیکنیکل پوائنٹس پر کھیل رہی ہے مفتی محمود صاحب کٹھ پتلی کی طرح ادھر اُدھر ناچ رہے ہیں جمعیت علماء پاکستان کو حکومت کوئی لفٹ نہیں دے رہی۔ رہ گئے مولانا کوثر نیازی گروپ تو وہ کہیں نہ کہیں جگہ حاصل کرنا چاہتے ہیں

اس وقت صورتحال کچھ اور واضح ہوتی جارہی ہے این ڈی پی کے رہنماؤں کی طرف سے پی این اے کے وفد میں شامل ہو کر الیکشن سیل سے ملاقات سے انکار اور قومی حکومت کی حمایت نہ کرنے کے اعلان کے بعد مفتی محمود صاحب نے جس طرح دھمکی آمیز رویہ اختیار کیا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اب این ڈی پی کسی بھی دباؤ میں نہیں آئیگی اور مفتی صاحب کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے بجائے سخت موقف اختیار کرے گی۔ اس سلسلے میں جب ہماری این ڈی پی کے سیکرٹری اطلاعات سے ٹیلیفون پر بات ہوئی تو انہوں نے شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ کہ اگر مفتی محمود صاحب بحران پیدا کر کے کسی پارٹی کا امتحان لینا چاہتے ہیں تو ان کو اس کی کھلی آزادی ہے"

باخبر سیاسی ذرائع کے مطابق برطانیہ میں سابق پاکستانی سفیر میاں ممتاز دولتانہ موجودہ سیاسی کشمکش کو کم کرنے کے لیے کوئی کردار ادا کرنا چاہتے ہیں۔ ان ذرائع کے مطابق ان کے نظر میں محاذ آرائی ختم کرنے کے لیئے ایک فارمولا ہے خیال ہے کہ وہ اس سلسلہ میں جلد ہی سی ایم ایل اے سے بھی ملاقات کریں گے

دوسری طرف مولانا کوثر نیازی صاحب دن بدن کارنر ہوتے جارہے ہیں اب ان کو اپنی سیاسی سرگرمیوں کو خفیہ رکھنا پڑ رہا ہے۔ مولانا کچھ دن ہوئے ایک خفیہ مشن پر کراچی آئے انہوں نے خفیہ ملاقاتیں کیں اور پھر پنڈی روانہ ہو گئے ایک اطلاع کے مطابق انہوں نے ضیاء عباسی وغیرہ کے ساتھ غلام مصطفےٰ جتوئی اور کمال اظفر سے بھی ملاقاتیں کیں۔ مگر کمال اظفر تردید کرتے رہے ہیں کہ وہ مولانا سے ان کے حالیہ دورے میں نہیں ملے۔ جبکہ جتوئی صاحب کسی سے بات بھی نہیں کرتے۔ آخر وہ اونچے ڈپلومیٹ جو ٹھہرے بہرحال باوثوق اطلاعات کے مطابق کراچی سے کمال اظفر بہت جلد قومی حکومت کے بارے میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ الیکشن سیل سے ملاقات کریں گے توقع ہے کہ جتوئی صاحب اب کے بار بھی پیچھے رہ کر ان سب کی پیٹھ تھپکیں گے۔

نیازی کی مخالفت مفتی کا احتساب کروا سکتی ہے

شبیہ الحسن

قومی اتحاد کے غبارے کو بالآخر این ڈی پی نے پن مار کر پنکچر کر دیا۔ جس پر مفتی محمود جن کا فوجی حکومت سے بڑا گہرا "کمٹ منٹ" نظر آتا ہے، خاصے سیخ پا ہیں ۲۲ اپریل کے بیان میں این ڈی پی کے موقف پر بڑے واضح انداز سے نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ قومی اتحاد میں شامل پارٹیاں اتحاد کے فیصلے کی پابند ہیں۔ مطلب یہ کہ این ڈی پی قومی حکومت میں شامل ہوتی ہے یا نہیں' یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے، مگر اتحاد کی ایک پارٹی کی حیثیت سے وہ اس کی مخالفت نہیں کر سکتی۔"

دوسری جانب مفتی محمود قومی حکومت میں مولانا کوثر نیازی کو شامل کرنے پر تا حال آمادہ نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک مولانا کی حیثیت ٹائلٹ پیپر سے زیادہ نہیں۔ پھر ان کے مطابق پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں جو مظالم ڈھائے گئے ان میں مولانا شامل ہی نہیں پیش پیش رہے ہیں۔ لہٰذا ایسے "ظالم شخص" کو کسی طور پر قومی حکومت میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا کوثر نیازی کے بارے میں مفتی محمود کے یہ تاثرات ۲۲ اپریل تک کے ہیں۔ آئندہ چل کر ان کے خیالات میں کس قسم کی تبدیلی آئے گی۔ اس بارے میں فی الوقت کچھ کہنا مشکل ہے کیونکہ ۲۲ اپریل کو مولانا کوثر نیازی نے اپنے بیان میں مفتی محمود کو کھلی دھمکی دے دی ہے کہ "مفتی صاحب اور ہمارا احتساب ہونا باقی ہے۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ کیونکہ مفتی محمود بھی اقتدار میں رہے ہیں اور ان کا بھی احتساب کی زد میں آنا ایک لازمی امر ہو سکتا ہے۔"

مولانا کوثر نیازی کے اس بیان کو ایک دھمکی یا بلیک میل کا نام دیا جا سکتا ہے، کہ اگر مفتی محمود کوثر نیازی کو قومی حکومت میں شامل کرنے پر تیار نہ ہوتے تو ان کے خلاف بھی احتساب ہو سکتا ہے۔ اس سے قبل بھی اس قسم کی افواہیں گردش کر چکی ہیں کہ

(باقی ص۳۲ پر)

افق

سنٹو کے وزرائے خارجہ کی کونسل کا اجلاس • شاہد حسین

مصر اور سعودی عرب سنٹو میں شامل ہو رہے ہیں؟

۱۹ اپریل ۱۹۷۸ء کو لندن میں سینٹو کے ممبر ملکوں کے وزرائے خارجہ کا اجلاس ہوا جس میں پاکستان کی نمائندگی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مشیر برائے امور خارجہ مسٹر آغا شاہی نے کی۔ مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے پیش نظر سینٹو کا اجلاس خاص اہمیت کا حامل ہے۔ جب سینٹو کا قیام عمل میں آیا تھا تو امریکہ نے پس منظر میں رہنا مناسب سمجھا تھا اور اس میں فقط "مبصر" کی حیثیت سے شریک ہوا تھا۔ یہ دیگر بات ہے کہ ممبروں کے مقابلہ میں "مبصر" کی لائن چلتی تھی لیکن نئی صورت حال میں امریکہ نے کھل کر سامنے آنا زیادہ بہتر سمجھا ہے۔

اس کے کئی اسباب ہیں۔ ماضی میں کئی مرتبہ یہ ہوا کہ سینٹو کے بعض ممبر ملکوں نے امریکی ہدایات سے کنی کترانے کی کوشش کی۔ چنانچہ گذشتہ سال جب تہران میں سینٹو کے وزرائے خارجہ کی کونسل کا اجلاس ہوا تو ترکی اور امریکہ میں شدید نوعیت کے اختلافات پیدا ہو گئے۔ اسی طرح پاکستان نے بھی اپنے وزیر خارجہ کو نہیں بھیجا بلکہ ایران میں مقیم پاکستان کے سفیر نے اس کی نمائندگی کی۔ متعدد مسائل پر سینٹو کے ممبر ملکوں میں اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ اس نوع کی پیچیدگیاں امریکہ کی خارجہ حکمت کو متاثر کر رہی تھیں کیوں کہ سینٹو کا قیام اسی مقصد کے لئے عمل میں آیا تھا کہ بحیرۂ روم سے بحر ہند تک کے وسیع و عریض علاقے میں امریکی مفادات کو مستحکم کیا جائے۔

سینٹو کے اغراض و مقاصد سمجھنے کے لئے ہمیں اس کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لینا ہوگا۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد یہ واضح ہو گیا تھا کہ سامراجی طاقتیں ایشیا میں اپنی مقبوضات کھو دینے سے خاصی پریشان ہیں۔ کوریا اور ہند چینی کے عوام کے خلاف سامراج کی ننگی جارحیت اس بات کا اظہار تھا کہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے وہ طاقت استعمال کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ ۱۹۵۰ء میں سامراج نے کوریا میں جنگ شروع کی جنوبی کوریا کی سامراج نواز حکومت نے ۲۵ جون کو عوامی جمہوریہ کوریا پر چڑھائی کرنے کی کوشش کی لیکن عوامی فوج کی مزاحمت کی وجہ سے اسے متوقع کامیابیاں حاصل نہ ہو سکیں۔ عوامی جمہوریہ کوریا کی فوج نے پہلے تو جنوبی کوریا کے حملے پر بند باندھا اور اس کے بعد جوابی حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اتنا مؤثر تھا کہ کٹھ پتلی حکومت اور اس کی ڈور ہلانے والی سامراجی طاقتوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ کٹھ پتلی حکومت کو مکمل شکست سے بچانے کی غرض سے مغرب کی "جمہوری" طاقتوں نے تمام بین الاقوامی قوانین کو نظر انداز کر کے کوریا میں کھلم کھلا مسلح مداخلت کر دی۔ تاہم سفید ہاتھی اور اس کی آل اولاد کو جلد اندازہ ہو گیا کہ "اچھے دن" اب باقی نہیں رہے ہیں۔ کوریا کی جدوجہد آزادی کو سوشلسٹ ملکوں اور دنیا بھر کی امن پسند ملکوں کی تائید و حمایت حاصل تھی جس کے نتیجے میں سامراجی جارحیت پسندوں کو پسپائی اختیار کرنا پڑی۔ اور آخری صلح ہونے تک انہیں کوریا میں اپنی کارروائیاں بند کرنا پڑیں اور اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ۲۷ جولائی ۱۹۵۳ء کو ایک سمجھوتے پر دستخط ہوئے۔ لیکن چور چوری سے جاتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں جاتا۔ ابھی سمجھوتے کی سیاہی خشک نہ ہوئی تھی کہ سامراجی طاقتوں نے ویت نام، لاؤس اور کمبوڈیا کے عوام کو محکوم بنانے کی

اب پاکستان کے کس علاقے کو منتخب کیا جائیگا

سینٹو کا دو روزہ وزارتی اجلاس ۲۱ اپریل کو اختتام پذیر ہوا۔ اجلاس کے بعد جاری ہونے والے اعلامیہ میں کہا گیا کہ سینٹو کے رکن ممالک پاکستان، ایران، ترکی اور برطانیہ جس علاقے میں واقع ہیں، اُس کی سلامتی کا تعلق دنیا سے ہے۔ مگر دنیا ان یک طرفہ نہیں ہو سکتا۔ اجلاس میں سینٹو کے رکن ممالک کے علاقے میں تخریب کاری کے خطرے سے نمٹنے کے کام کی رفتار کا جائزہ لیا گیا۔ اور کہا گیا کہ ان کی حکومتیں اس خطرے کے خاتمے کے لئے ضروری اقدامات کرتی رہیں گی۔

سینٹو کے اعلامیہ میں "تخریب کاری اور تخریبی سرگرمیوں" کی وضاحت نہیں کی گئی اور نہ ہی یہ بتایا گیا کہ ان اصطلاحات سے کیا مراد ہے۔ ویسے سینٹو کے وزراء کو یہ بتانے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی، کیونکہ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ معاہدہ سینٹو کے ارکان کمیونسٹوں کو "تخریب کار" اور کمیونسٹوں کی سرگرمیوں کو "تخریبی سرگرمیاں" قرار دیتے ہیں۔ یاد کیجئے! ۱۱ جون ۱۹۷۳ء کو تہران میں سینٹو کی وزارتی کونسل کا اجلاس ہوا تھا اور ۱۲ جون کو برطانوی وزیر خارجہ سر ڈگلس ہیوم نے بی بی سی کے نمائندے کو جو انٹرویو دیا تھا اُس میں کمیونسٹوں کی سرگرمیوں کو "تخریبی کارروائیاں" بتایا تھا۔ انٹرویو کے اہم نکات یہ تھے۔

• اب معاہدہ سینٹو کا بنیادی مقصد کمیونسٹوں کی تخریبی سرگرمیوں کی بیخ کنی کرنا ہے۔ پہلے اس کا مقصد صرف فوجی کارروائیوں کی روک تھام کرنا تھا۔ لیکن اب فوجی کارروائیوں کے ساتھ ساتھ رکن ممالک

غرض سے کارروائیاں تیز کر دیں۔ مگر یہاں بھی انہیں
پسپائی ہوئی، اور مجبوراً ہند چینی کے مسئلے پر جینیوا
کانفرنس میں شرکت کرنا پڑی۔ یہ کانفرنس ۱۹۵۴ء کے
موسم گرما میں شروع ہوئی اور سوویت یونین، عوامی جمہوریہ
چین، فرانس، برطانیہ، امریکہ، شمالی ویت نام، لاؤس،
کمبوڈیا اور جنوبی ویت نام کے مندوبین اس میں شریک
ہوئے۔ اس کانفرنس کے نتیجے میں ایک سمجھوتہ ہوا،
جس کے تحت سامراجی طاقتوں نے ہند چینی کے ملکوں
کی آزادی و خودمختاری کا احترام کرنے اور ان کے داخلی
معاملات میں مداخلت نہ کرنے کا عہد کیا۔

ایشیائی سیاست کے یہ دو اہم واقعات اس
امر کے مظہر تھے کہ قوت کا توازن آزادی، امن اور
سوشلزم کے حق میں استوار ہو رہا ہے۔ تاہم سامراج
کے بنیادی کردار میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی،
وہ بدستور قزاقانہ، پیچھے کی جانب لوٹنے والا اور متشدد
تھا۔ چنانچہ جینیوا سمجھوتے پر دستخط ہونے کے صرف
ڈیڑھ ماہ بعد فلپائن کے صدر مقام منیلا میں سیٹو کا
قیام عمل میں آیا اور نومبر ۱۹۵۵ء میں بغداد پیکٹ پر
دستخط ہوئے۔ جولائی ۱۹۵۸ء میں عراق میں سامراج
دشمن انقلاب برپا ہونے کے بعد عراق نے اس سے
علیحدگی اختیار کر لی اور بغداد پیکٹ سینٹو میں تبدیل ہو گیا۔
ان سامراجی فوجی معاہدوں کے اغراض و مقاصد سے باشعور لوگ
پہلے ہی واقف تھے لیکن عراق کی انقلابی حکومت نے ان کی خفیہ
دستاویزات کا بھانڈا پھوڑ دیا جو سینٹو کے اجلاسوں میں
تشکیل پائی تھیں۔ سینٹو کے اجلاس، فوجی تیاریوں کو تیز تر
کرنے کے لئے منعقد ہوتے تھے اور ان کا بنیادی نشانہ سوشلسٹ
کیمپ اور اس خطے کی جدوجہد آزادی اور جمہوری تحریک
ہوتی تھی۔ ان انکشافات کے بعد سیٹو اور سینٹو، تمام دنیا کے
سامنے ننگے ہو گئے۔ ۱۹۵۶ء میں جب مصر نے نہر سویز کو
قومی ملکیت میں لینے کا اعلان کیا اور سامراجی ممالک نے
مصر کے خلاف جارحانہ اقدام کیا تو سینٹو نے بھی اہم کردار
ادا کیا۔ ان سامراجی ملکوں میں برطانیہ بھی شامل تھا جو سینٹو
کا باقاعدہ رکن تھا۔

ہند چینی میں سامراج کی عبرتناک شکست کے بعد
جنوبی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے سیاسی افق پر بڑے مثبت
اثرات مرتب ہوئے۔ ۱۹۷۳ء کی عرب۔ اسرائیلی جنگ میں
عرب ملکوں نے تیل کی ترسیل پر پابندی عائد کر کے ساری
سرمایہ دار دنیا میں کھلبلی مچا دی۔ بدلتے ہوئے حالات میں
عالمی سامراج کے لئے یہ لازم ہو گیا تھا کہ اپنے فوجی اور
اقتصادی جال کو مزید پھیلائے۔ ایک طرف اس نے مشرق وسطیٰ
کی بعض دائیں بازو کی حکومتوں کو بڑے پیمانے پر اسلحہ فراہم
کیا جس کے بنیادی طور پر دو مقاصد تھے۔ ایک طرف ان
پیٹرو۔ ڈالروں کو ہتھیانا جو تیل کی قیمتوں میں اضافے کے
باعث عرب ملکوں کو وافر مقدار میں مل گئے تھے اور اس
طرح اپنی معیشت کو سہارا دینا جو ہند چینی کی جنگ کے بعد
مستقل بحران کا شکار تھی۔ دوسرا مقصد دائیں بازو کی
سامراج نواز حکومتوں کو فوجی اعتبار سے مستحکم کرنا تاکہ
اس خطے کی ترقی پسند قوتوں کو کچلا جا سکے۔ اس میں اچنبھے
کی بات نہیں کہ حالیہ برسوں میں سینٹو اور اسی نوع کے
دیگر سامراجی فوجی بلاکوں کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا ہے
سینٹو اور ناٹو کی مشترکہ مشقیں بھی ہونے لگی ہیں، نئے
فوجی اڈوں کے لئے بھاگ دوڑ جاری ہے اور موجودہ بلاکوں
میں بعض نئے ملکوں کی شمولیت کے امکانات بھی پائے
جاتے ہیں۔

سینٹو کے وزرائے خارجہ کی کونسل کے حالیہ اجلاس
کو مشرق وسطیٰ کی صورت حال کے تناظر میں دیکھنا چاہیئے۔
دنیا کا ۵۶ فیصد تیل مشرق وسطیٰ میں پایا جاتا ہے اور امریکہ
مغربی یورپ اور جاپان اس پر انحصار کرتے ہیں اگر یہ
تیل ہاتھ سے نکل جاتے تو ساری سرمایہ دار دنیا کا دیوالہ
نکل جائے گا۔ ۱۹۷۳ء کی عرب۔ اسرائیلی جنگ کے دوران
امریکی صدر نے واضح کر دیا تھا کہ اپنے مفادات کے تحفظ کے
لئے وہ فوجی طاقت بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ لیکن سب سے
بڑی مشکل یہ آپڑی ہے کہ تیسری دنیا کے ملکوں میں اپنے
خام مال اور قدرتی وسائل کو قومی ملکیت میں لینے کے
درپے ہیں اور اقوام متحدہ نے بھی ان کے اس جائز مطالبے
کو تسلیم کر لیا ہے۔ اقتصادی آزادی کی اس جدوجہد سے
نمٹنے کے لئے سینٹو کی سرگرمیوں میں اضافہ ہو رہا ہے
اور امریکہ مختلف ملکوں سے براہ راست روابط بڑھا
رہا ہے۔

سینٹو کے سیکریٹریٹ نے حال ہی میں ایک کتابچہ
شائع کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "سینٹو اس وجہ سے
قائم کیا گیا تھا کہ سوویت یونین سے نمٹا جا سکے جو اس
علاقے کی سلامتی کے لئے، دوسری عالمی جنگ کے بعد سے
خطرہ بنا ہوا ہے"۔ لیکن اس خطے میں بسنے والے لوگوں نے
اپنے تجربہ سے سیکھا ہے کہ سینٹو اور اسی نوع کے دیگر
سامراجی فوجی معاہدوں کا اولین مقصد، قومی اور جمہوری
تحریکوں کو کچلنا ہے جسے ڈلس اور اس کے پیروکار "کمیونسٹ
خطرہ" قرار دیتے رہے ہیں۔ نہر سویز کا واقعہ ہو یا ویت نام،
کمبوڈیا اور لاؤس کی جنگ۔ یا اس خطے کے عوام کی اقتصادی
آزادی کی جدوجہد۔ سامراجی فوجی بلاکوں کو ہمیشہ اپنے
مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ دیگر بات ہے
کہ جلد یا بدیر سامراجی طاقتوں کو شکست کا سامنا
کرنا پڑا۔

مبصرین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ امریکی کوشش
ہے کہ سعودی عرب کی قیادت میں ایک نیا فوجی و سیاسی
معاہدہ کرایا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو سکے تو مصر اور
سعودی عرب کو سینٹو کا رکن بنایا جائے۔ اگر یہ کوششیں
کامیاب ہو گئیں تو سینٹو کی سرگرمیوں میں مزید اضافہ
ہو جائے گا۔ کیونکہ سعودی عرب کی تیل کی دولت بہت
اہم رول ادا کر سکتی ہے۔ لیکن امریکہ اور دیگر سامراجی
طاقتوں کی تمام تر بھاگ دوڑ کے باوجود یہ بات
اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ آزادی کی امنگوں
کو کچلنا اب ممکن نہیں ہے۔ کوریا، ویت نام، کمبوڈیا،
لاؤس، انگولا، موزمبیق اور گنی بساؤ وغیرہ کی تاریخ
ہمارے سامنے ہے۔

پیدا ہونے والی تخریبی سرگرمیوں کا بھی مقابلہ کرنا ہے۔
- کمیونسٹ ممالک صلح جوئی کے ساتھ ساتھ تخریبی سرگرمیاں بھی جاری رکھے ہوتے ہیں۔
- پاکستان میں تخریبی عناصر سرگرم ہیں۔ امریکہ اور برطانیہ کو بھی کمیونسٹوں کی ان سرگرمیوں پر تشویش ہے
- پاکستانی تخریب پسند عناصر کی سرگرمیوں پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم جوابی کارروائی کرنے پر غور کریں۔

چنانچہ پاکستان میں "جوابی کارروائی" کا منصوبہ
بنایا گیا۔ بلوچستان کے عوام کو "تخریب پسند" قرار دیا
گیا۔ اور ان کے خلاف فوجی کارروائی کی گئی۔ بلوچستان کا
انتخاب اس لئے کیا گیا کہ بلوچ عوام نے اپنے حقوق
کے لئے آواز بلند کی تھی اور سینٹو کے رکن ممالک کے
نزدیک اپنے حقوق مانگنے والے "تخریب کار اور کمیونسٹ"
ہوتے ہیں۔ سینٹو کے حالیہ وزارتی کونسل نے "تخریب کاری"
سے نمٹنے کے لئے جو منصوبہ بنایا ہے اس پر عمل درآمد
پاکستان کے کس صوبے میں کیا جائے گا اس کا فیصلہ کرنا
ابھی باقی ہے۔

انتخابات کے بغیر پاکستان انتہائی تباہ کن تاریکیوں میں ڈوب جائے گا

گارجین لندن

ایک سال قبل ہندوستان میں اندرا گاندھی کے خلاف غیر متوقع شدید مخالفت کی لہر اٹھی اور انہیں اقتدار سے دست بردار ہونا پڑا۔ اسی طرح ایک سال قبل پاکستان میں انتخابات میں بھاری اکثریت سے کامیابی کے نتیجے میں جناب ذوالفقار علی بھٹو دوبارہ وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ اور آج یہ دونوں شخصیتیں کہاں ہیں۔؟ مسز اندرا گاندھی اپنے سیاسی حریفوں کی تمام تر مخالفت کے باوجود اب بھی ہندوستان کی ایک اہم سیاسی شخصیت کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کر رہی ہیں اور مسٹر بھٹو جنہوں نے انتخابات میں کامیابی حاصل کی تھی، کوٹ لکھپت جیل کی تاریک کوٹھری میں بند ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان کو بے شمار مسائل کا سامنا ہے لیکن گذشتہ بارہ مہینوں میں نہ صرف آزادی کی علامتیں دکھائی دیتی ہیں بلکہ جمہوریت کی جڑیں بھی مستحکم ہوتی نظر آ رہی ہیں۔ اس کے برعکس پاکستان میں گذشتہ ۳۱ سالوں میں سنگین بحرانوں کے نتیجے میں تباہی کا سامنا رہا، نہ یہاں کبھی آزادی رہی نہ جمہوریت اور نہ ہی اس کا کوئی حل نکل سکا۔

آپ بھٹو بحران کا تذکرہ بغیر ہندوستان کے حوالے کے نہیں کر سکتے۔ کیونکہ برصغیر کے یہ دونوں ممالک ابھی تک قدیم بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یکساں علاقائی تنازعات کا دونوں کو سامنا ہے۔ جب ایک مون سون ہندوستان میں ناکام ہوتا ہے تو وہ لاہور میں بھی ناکام رہتا ہے۔ دونوں ملکوں کے رہنماؤں کی ایک دوسرے پر نگاہ رہتی ہے۔ مسز اندرا گاندھی الیکشن کرانا نہیں چاہتی تھیں لیکن انہیں اپنا فیصلہ تبدیل کرنا پڑا کیونکہ پاکستان میں جناب بھٹو نے الیکشن کرانے کا فیصلہ کر لیا تھا جو ایک قابل فخر بات تھی۔

ہندوستان نے گذشتہ سال جمہوری عمل کے ذریعے ایک قابل ذکر مثال قائم کی ہے کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ پاکستان میں کیا ہو چکا ہے اور کیا ہو سکتا ہے؟ شمالی ہندوستان میں اندرا گاندھی کے خلاف شدید مخالفت مرارجی ڈیسائی کی کامیابی کا ایک بڑا سبب بنی۔ دراصل آزادی کے لئے یہ ان کا ووٹ تھا۔ ڈیسائی نے مخلوط حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے وزیر اعظم کا عہدہ سنبھالا۔ جب کہ ان کے درمیان شدید اختلافات کے پیدا ہونے کا اندیشہ بھی موجود تھا۔ بظاہر یہ مخلوط حکومت مسز اندرا گاندھی کی مخالفت کے سبب وجود میں آئی ہے۔ جس پر رجعت پسندی کا لیبل چسپاں ہے۔ یہ جماعت ابھی تک ہندوستان کی تمام ریاستوں اور خصوصاً جنوبی ہندوستان میں ایک بڑی فورس کی حیثیت نہیں رکھتی۔ لیکن اس کا شیرازہ بھی نہیں بکھرا ہے۔ ادھر مسز اندرا گاندھی اپنی مسلسل تنقید کی وجہ سے پریشان ہیں۔ دہلی میں وہ اب بھی ناخوش نظروں سے دیکھی جاتی ہیں۔ لیکن ہندوستان کے دوٹروں میں ان کے لئے کسی حد تک وفاداری کا جذبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ کانگریس کا پرانا دھڑا آخر ٹوٹ پھوٹ جائے گا اور ایک نئی گاندھی کانگریس آخر لمحوں تک سیاسی میدان میں موجود رہے گی۔ ہندوستان کے دو با اثر رہنماؤں ڈیسائی اور مسز اندرا گاندھی کے درمیان بلاشبہ ابھی تک ذاتی اور تلخ خلیج حائل ہے۔ لیکن یہ ایک سیاسی نظریات کا معاملہ ہے۔ مسز اندرا گاندھی کی جماعت

ریڈیکل اصلاحات کی حامی ہے جب کہ مسٹر ڈیسائی دیہی آبادی میں اپنی اکثریت بڑھانا چاہتے ہیں۔ آئندہ جب ہندوستان میں الیکشن ہوں گے تو اس کا فیصلہ ہوگا۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جہاں انتخابی مہم کے دوران سیاسی دلائل پیش کئے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں دو بڑی جماعتوں میں سے کوئی ایک جیت جاتی ہے۔ یہاں حکومتیں عوام کے سامنے اپنے آپ کو احتساب کے لئے پیش کرتی ہیں۔ جو ایک حقیقت پسندانہ اور جمہوری طریقہ کار ہے۔ اگر عوام انہیں دوبارہ برسر اقتدار لانا نہیں چاہتے تو وہ اپوزیشن میں بیٹھتے ہیں۔ اور اس طرح جمہوری عمل کا سلسلہ جاری ہے۔ الیکشن کے ذریعے آتے ہیں اور الیکشن کے ذریعے جاتے ہیں۔

یہاں احتساب کا لفظ خاصا چبھتا ہوا محسوس ہوتا ہے کیونکہ سرحد کے اس پار پاکستان میں جنرل ضیاء الحق کی ہر تقریر میں اس نے سنگِ میل کی صورت اختیار کر لی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ گذشتہ ۳۱ سالوں میں پاکستان کے کسی حکمران کا احتساب نہیں کیا گیا۔ لیکن احتساب کا عمل دو طرفہ دھار کی تلوار ہے، جنرل ضیاء کس کے سامنے اپنے آپ کو احتساب کے لئے پیش کریں گے؟ مسٹر بھٹو کے دشمنوں کا دعویٰ ہے کہ ان میں بہت سی برائیاں تھیں۔ ان کے کردار کا تاریک اور گھناؤنا پروپیگنڈہ کیا گیا لیکن اس بات سے انکار نہیں کہ مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں ان کی کامیابی حقیقت پسندانہ تھی۔ انتخابی دھاندلیاں شاندار نتائج پر اثر انداز نہیں ہوئی تھیں مسز اندرا گاندھی کی طرح جناب بھٹو نے بھی تمام تر الزام تراشیوں کے باوجود عوام کی واضح حمایت حاصل کر لی ہے۔ دیہاتوں میں آباد غریب عوام نے انہیں فراموش نہیں کیا۔ آج بھی آزادانہ انتخابات انہیں دوبارہ برسر اقتدار لا سکتے ہیں۔ (لاہور ہائی کورٹ کے بارے میں تبصرہ)

پھانسی کی سزا پر عمل درآمد کے بعد بھٹو یقیناً ایک قابلِ احترام شہید ہوں گے۔ اس سے انتہائی سنگین صورتِ حال پیدا ہو جانے کا امکان بھی ہے اور ممکن ہے کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے جسے کنٹرول کرنا مشکل ہو سکتا ہے۔ یہ صورتِ حال کے تاریک حقائق ہیں۔ اگر بھٹو کو مار دیا جاتا ہے تو مستقبل قریب میں فوراً الیکشن کرانا معنی خیز ہوگا اور انتخابات کے بغیر پاکستان انتہائی تباہ کن دہشت گردی کی تاریکیوں میں ڈوب جائے گا۔ جس پر فوج بھی قابو نہیں پا سکے گی۔ اس وقت صورتحال جنرل ضیاء الحق کے ہاتھوں سے نکل چکی ہے۔ اس مقام پر ان کا اپنا احتساب کا فلسفہ بھی بے وقوف بنانے کا ایک ذریعہ بن گیا ہے۔

بھٹو کو موت کی سزا سے بچایا جائے۔ جلد از جلد انتخابات کرا دیتے جائیں۔ نتائج کو تسلیم کیا جائے۔ خواہ اس سے بھٹو کو رہائی مل جائے اور وہ دوبارہ اقتدار میں کیوں نہ آجائیں۔ عوام کو بھٹو کا سابقہ عمل خوب اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ پولنگ بوتھ پر ان کا خود احتساب کرنا چاہیں گے تو کر لیں گے اور وہ ہی ان کا آخری فیصلہ ہوگا۔ لیکن بڑے پیمانے پر گرفتاریوں اور حالیہ غیر معینہ عرصہ کے لئے سیاسی سرگرمیوں پر پابندیوں سے واضح ہوتا ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے اس حکمت عملی کو مسترد کر دیا ہے۔ وہ بھٹو کی جان بخشی بھی نہیں چاہتے لیکن وہ مستقبل قریب میں فوری الیکشن کرانے کا بھی کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ کیونکہ ان میں اتنی ہمت نہیں ہے۔ وہ پاکستان کو ایک ایسے تاریک مستقبل کی طرف لے جا رہے ہیں۔ جہاں خوشگوار حالات کی کوئی ضمانت نظر نہیں آتی لیکن تباہی واضح ہے۔ ہندوستان میں احتساب کوئی ناممکن معمہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سیاسی زندگی کا ایک راستہ بن گیا ہے۔ اگر جناب بھٹو الیکشن میں ذرہ بھر دھاندلیوں کا بھی موقع نہ دیتے، اگر ان کے خلاف سیاسی جماعتوں کا انتخابی محاذ دسویں حصے کے برابر بھی جمہوریت سے مخلص ہوتا۔ جس کا مظاہرہ جنتا پارٹی نے کیا۔ اگر فوج ماضی کے تلخ سبق کو مدِ نظر رکھتی اور بیرکوں میں رہتی۔ لیکن اب پانی بڑی تیزی سے اُتر چکا ہے۔ اور اب صرف تاریک المیہ نظر آ رہا ہے ●●

وہ غریب بھٹو جتنے بدنصیب نہیں ہیں

نیو اسٹیٹسمین لندن، ۲۴ مارچ ۱۹۷۸ء

میں صرف ایک بار بھٹو سے ملا ہوں اور یہ ملاقات ان کے کراچی کے انتہائی پرشکوہ مکان میں ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے سیاستدانوں کے گھروں میں جو لائبریریاں دیکھی ہیں بھٹو کی لائبریری ان سب میں بہترین تھی۔ (اکثر کتابیں ان کے والد نے جمع کی تھیں) ایک چیز جو مجھے کچھ زیادہ پسند نہیں آئی وہ مائکروفون تھے جو گفتگو کے وقت ہم دونوں کے سامنے رکھے تھے اس کا سبب کوئی خطرناک یا بیہودہ نہیں بلکہ سیدھا سادہ تھا اس زمانے میں غیر ملکی صحافیوں سے اکثر انٹرویو سرکاری مقبوضہ اخبارات میں فوراً شائع ہوا کرتے تھے مجھے خوشی ہے کہ میرا انٹرویو شائع نہیں ہوا۔ تقریباً سارا وقت مسٹر بھٹو سحر انگیز، تیز، شائستہ اور ذہین رہے۔ ان کے رویے میں سرد مہری صرف اس وقت پیدا ہوئی جب میں نے ان سے پوچھا کہ ایک ہفتہ وار اخبار کو بند کیوں کیا گیا ہے۔ انہوں نے نرم لہجے میں کہا کہ "کیونکہ وہ ہر اعتبار سے بہت زیادہ آگے چلا گیا تھا" کم از کم میری حد تک یہ پیغام بہت واضح بلکہ خطرناک تھا۔ ہم دوبارہ خوشگوار باتوں میں مصروف ہو گئے۔ ہمارا آخری مکالمہ چاندی کے فریم میں جڑی صدر نکسن جو اس وقت تک کافی ذلیل کئے جا چکے تھے، کی تصویر کے بارے میں تھا۔ میں نے سوال کیا کہ وہ ابھی تک اس تصویر کی نمائش کیوں کر رہے ہیں؟ جواب ملا "یوں کہہ لیں کہ وہ انتہائی بدنصیب آدمی تھا"

اب یہ صورتِ حال ہے کہ وہ غریب بھٹو جتنے "بدنصیب" نہیں ہیں جو اس وقت پھانسی پانے والوں کی کوٹھری میں دکھ جھیل رہے ہیں جبکہ ان کے رفیق کسی زمانے کے سان کلیمنٹ پر واقع "ولیسٹرن وہائٹ ہاؤس" کے عیش و آرام کی یادداشتوں کو سکوں میں ڈھالنے کے منتظر ہیں۔

پاکستان ایک انتہائی ناقابلِ رشک صورتِ حال میں ہے

ایسٹرن ڈیلی پریس، نورفوک (برطانیہ) کا اداریہ، ۲۰ مارچ ۱۹۷۸ء

ناخوشگوار تجربات کسی فرد کو یہ یقین کرنے پر ابھار سکتے ہیں کہ پاکستان کے سابق وزیرِاعظم مسٹر بھٹو کے مقدمے اور سزا کے تعین میں سیاسی حساب کتاب نے بھی اتنا ہی کردار ادا کیا ہے جتنا کہ انصاف نے ملک کی نئی فوجی قیادت کو قریب سے جاننے کا دعویٰ کرنے والے کچھ لوگ اس خیال کی تائید کرتے نہیں معلوم ہوتے۔ مقدمے کی کارروائی کے پیچھے کچھ بھی رہا ہو یہ بات اب زیادہ سے زیادہ واضح ہوتی جارہی ہے کہ سیاسی اثرات بہت برے ہوں گے۔ نیز مسٹر بھٹو کے بہترین دوست بھی شاید ہی یہ کہیں کہ وہ نرم مزاج یا مفاہمت کے خواہاں ہیں اور یہ کہ آیا وہ کھردرے انصاف کے شکار ہوتے ہیں یا نہیں۔ ایسے کئی لوگ ہیں جنہیں خود ان کے (بھٹو کے) کھردرے پن کو بھگتنا پڑا ہے۔ ان کی بیٹی کے اس تبصرے نے کہ اگر انہیں پھانسی دی گئی تو خون کے دریا بہیں گے پاکستان کے سیاسی موڈ کو بہت متاثر کیا ہے۔

اس پر اپنی انتہائی شکل میں عمل درآمد ہوتا ہے یا نہیں مسٹر بھٹو کو سیاسی قتل کی مبینہ ذمہ داری پر ملنے والی سزا اس بات کا مزید ثبوت فراہم کرتی ہے کہ ہنگاموں سے گزرنے والے کسی ملک میں فوجی حکومت قائم کرنا اسے ختم کرنے کی نسبت کتنا آسان ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جنرل ضیاء الحق اس مقدمے کو مسٹر بھٹو کے دوبارہ اقتدار کے لئے اہلیت کی ایک آزمائش تصور کرتے تھے اور عدالت کی نیت یہ تھی کہ اس بلند عدالتی معیار کو برقرار رکھے جو برطانوی وراثت کا ایک بیش بہا حصہ ہے اگر ایسا تھا تو جنرل کو ایک پریشان کن جواب ملا ہے۔

مسٹر بھٹو کو پھانسی ہوتی ہے یا نہیں ان کی سماجی زندگی کے لئے رہائی کا آسانی کے ساتھ تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ بات جنرل کو ایک طاقت ور محرک فراہم کرسکتی ہے کہ وہ سزا کو برقرار رکھنے کی اجازت دے دیں۔

ایسا کرنے سے بڑی مصیبت کھڑی ہوسکتی ہے لیکن جب تک مسٹر بھٹو موجود ہیں وہ بذاتِ خود پاکستان کے حکمرانوں کے لئے مصیبت کا مرکز رہیں گے۔

برصغیرِ ہند درشت سیاست کا عادی رہا ہے ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ رائے عامہ کی اکثریت خود زندہ رکھنے کے مشکل کام میں اتنی الجھی رہتی ہے کہ شائستگی کے بارے میں زیادہ فکر نہیں کرسکتی۔ مسٹر بھٹو اور مسز گاندھی کو اپنے عوام کی اتنی تعداد کا اعتماد اور حمایت اس لئے حاصل ہے کہ انہیں بجا طور پر موثر کارندے سمجھا جاتا ہے۔

اس بات کی کافی شہادتیں موجود ہیں کہ مسٹر بھٹو نے اپنے حق میں جمہوری طریقہ کار کو توڑا مروڑا اور یہ بھی اگر وہ اتنے بے وقوف نہ ہوتے تو یہی طریقے انہیں ایسے اختیارات دیتے جنہیں جائز طور پر چیلنج کرنا مشکل ہوتا۔ ایک زندہ شہید کو اپنے ہاتھ میں رکھتے ہوئے ان کی پارٹی زیادہ آسانی کے ساتھ اپنی پوزیشن کو بحال کرسکتی ہے۔ لیکن اگر اس نے مسٹر بھٹو کی رہائی کے لئے استعمال کیا تو وہ فوجی حکومت کو مشکل صورتِ حال سے دوچار کردے گی

فوج کے سیاست میں دوبارہ داخل ہونے کا مقصد ملک پاک کرنا تھا اور باقاعدہ قانونی چارہ جوئی کے علاوہ کسی اور طریقے سے فیصلے میں تبدیلی کا مطلب سیاسی موقعہ پرستی کی طرف لوٹنا ہوگا۔ یہ فی الحال برسرِاقتدار لوگوں کے لئے کافی اشارہ ہوگا کہ پاکستان پارلیمانی حکومت کی بحالی کے لئے تیار نہیں ہے۔

دوسری طرف ایک خودساختہ حکومت کے ہاتھوں، اس کے مقاصد کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں ایک سیاسی رہنما کی عدالت کے ذریعے ہلاکت ایسے ہی رسواکن مضمرات کی حامل ہوگی جیسے کہ خود مسٹر بھٹو پر لگائے گئے الزامات رسواکن تھے۔

بہرطور پاکستان ایک انتہائی ناقابلِ رشک صورتِ حال میں ہے۔

بھٹو خاندان کو جلاوطن کرنے کے امکانات کا جائزہ لیا جارہا ہے

کوئی منفی اقدام پاکستان کو خانہ جنگی میں جھونک سکتا ہے

دیوان دریندر ناتھ
پیٹریوٹ
نئی دہلی ۔ ۲۳ مارچ ۷۸ء

پاکستان میں عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ بالآخر رحم کی بنیادوں پر اور ملک کے ایک اہم رہنما کی حیثیت اور اتحاد اسلامی کے ایک نمایاں ترین علمبردار کے مقام کے پیش نظر مسٹر بھٹو کی جان بخشی کر دی جائے گی۔

سرحد پار سے آنے والی اطلاعات ظاہر کرتی ہیں کہ ایک پیچیدہ نوعیت کے قتل کے الزام میں مسٹر بھٹو کو سنائی جانے والی سزائے موت اکثر لوگوں کے لئے حیرانی کا باعث بنی۔ گو کہ یہ توقع کی جارہی تھی کہ عدالت ان کے خلاف استغاثے کے مقدمے کو درست قرار دے گی لیکن یہ امید نہیں کی جارہی تھی کہ سزائے موت کا فیصلہ ہوگا یا عمر قید کی سزا سنائی جائے گی۔

سزائے موت کے غیر متوقع فیصلے نے عوام کو عام طور پر اور خاص طور پر پی پی پی کے سرگرم کارکنوں کو جھنجھوڑ دیا۔ آخر الذکر میں اکثر جیلوں میں ہیں اور جو لوگ باہر ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ بھٹو کی زندگی کے لئے لڑنے کا عزم رکھتے ہوں۔ تب بھی اس ضمن میں احتجاجی مظاہرے اور جنرل ٹکا خاں کی گرفتاری یہ ظاہر کرتی ہے کہ فوجی حکومت عوام کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔

احتجاج

بھٹو کی زندگی کا انحصار اولاً اس بات پر ہوگا کہ عوام کے احتجاج کتنی شدت اختیار کرتے ہیں۔ اگر عوامی دباؤ قابو سے باہر ہوتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صدر کو مشورہ دیں کہ وہ اپنا رحم کا اختیار استعمال کریں اور سزائے موت میں تخفیف کر کے عمر قید یا اس سے بھی کم مدت کی قید میں تبدیل کر دیں چاہے مسٹر بھٹو اس کے لئے درخواست بھی نہ کریں۔

غیر ممالک خاص طور پر سعودی عرب، ایران، متحدہ عرب امارات، لیبیا اور کویت جیسے ممالک کے مشوروں کے بھی اثر انداز ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے یقین کیا جاتا ہے کہ ان ممالک کے چند حکمرانوں نے جنرل ضیاء پر شدید زور دیا ہے کہ وہ سزائے موت پر عمل درآمد کی اجازت نہ دیں۔ یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ تنظیم آزادیٔ فلسطین کے یاسر عرفات نے بھی اس ضمن میں جنرل ضیاء الحق کو لکھا ہے۔

زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ مسٹر بھٹو کے خلاف سزائے موت پر عمل درآمد نہیں ہوگا۔ فوجی حکومت کو معقولیت اختیار کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے شدید نوعیت کی سیاسی اور سفارتی سرگرمیاں جاری ہیں۔ اس کے علاوہ متحدہ عرب امارات کے سربراہ شیخ زاید نے کھلے بندوں رحم دلی کے اظہار کی اپیل کی ہے۔ شاہ خالد جیسے دوسرے اسلامی رہنما بھی جنرل ضیاء سے رابطہ قائم رکھے ہوئے ہیں۔ اسلامی سیکریٹریٹ بھی مسٹر بھٹو کے لئے احتجاجی اپیل جاری کر سکتا ہے جو بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کے پہلے چیئرمین تھے۔

سیاسی حلقوں میں جنرل ضیاء الحق کو اس بات پر آمادہ کرنے کی تحریک ہے کہ مسٹر بھٹو کی جان بخشی کر کے انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ لندن سے نکلنے والے ایک پاکستانی اخبار نے کہا ہے کہ پورے بھٹو خاندان کے پاکستان سے جلاوطن کئے جانے کے امکانات کا جائزہ لیا جارہا ہے۔

یقین کیا جاتا ہے کہ عالم اسلام کے اہم رہنماؤں نے یہ ضمانت دینے کی پیشکش کی ہے کہ نہ صرف مسٹر بھٹو بلکہ ان کے خاندان کے تمام افراد ایسے بندوبست کو قبول کر لیں گے۔

جلاوطنی

یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ جنرل ضیاء الحق اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ "سخت" اور "رحمدل" رہنما کی حیثیت سے جانے جائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر پاکستانی مبصرین یہ یقین رکھتے ہیں کہ ابھی خاصی سودے بازی کے

بحالی جس میں مسٹر بھٹو کی طرف سے چند سال کے لیے میدانِ سیاست سے ہٹ جانے کا وعدہ شامل ہوگا۔ اس طرح ان کی زندگی کے بچنے کی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

فوجی حکومت پر اثر انداز ہونے والے انتہائی اہم عناصر ملک کے اندر رائے عامہ کا دباؤ اور بیرونِ ملک سے عالم اسلام کی زور آور طاقتوں کی طرف سے منانے کی کوششیں ہیں۔ اگر اس دوران مارشل لاء حکومت اور مسٹر بھٹو کے درمیان مفاہمت ہوجاتی تو یہ ہر اعتبار سے بہتر ہوگا۔

لیکن کئی ناقابلِ قیاس باتیں بھی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ حقیقت بھی ہے کہ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جنرل ضیاالحق نے جنہیں سابق وزیر اعظم نے باری آنے کے بغیر ترقی دے کر فوج کا سربراہ بنایا تھا اس سارے مسئلے کو ان کے اور مسٹر بھٹو کے درمیان ذاتی جھگڑے کے طور پر لیا ہے۔

پاکستان کا طاقتور اور بلند آواز عنصر بھٹو کا حامی ہے

"دی گلاسگو ہیرالڈ"
گلاسگو کا اداریہ
۲۰ مارچ ۱۹۷۸ء

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو سزائے موت کے تحت بھی پاکستان کے لئے شدید نوعیت کے مسائل پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہ ایک ممتاز سیاسی رہنما ہیں وہ ایک بڑے باہمت اور بہت بڑی حد تک عام روش سے ہٹے ہوئے آدمی ہیں جن کی سیاسی زندگی میں کافی مشتبہ اقدامات بھی لازماً شامل ہوں گے۔ ان پر جو خاص الزامات لگائے گئے اور جن کے لئے انہیں سزا سنائی گئی ہے آیا اس کے لئے وہ موت کے سزاوار ہیں یا نہیں شاید کبھی معلوم نہ ہوسکے۔ بہر حال ان کے حامیوں میں پاکستانی رائے عامہ کا طاقتور اور بلند آواز عنصر شامل ہے اور اگر ان کے رہنما کو تختۂ دار پر چڑھنے پر مجبور کیا گیا تو وہ ملک کے پہلے ہی سے نازک اتحاد کو توڑ دیں گے۔

پاکستان کے نئے حکمران جنرل ضیا موجودہ صورتحال کے خطرات سے اچھی طرح واقف ہیں۔ انہوں نے یہ اظہار کیا ہے کہ عدالتوں کے جائز فیصلوں میں مداخلت کرنا مناسب نہیں ہے لیکن پاکستان میں "جائز" دیکھنے والے کی نظروں کے سامنے واضح ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ مسٹر بھٹو کی موجودہ مصیبتوں کا آغاز اس وقت ہوا جب انہوں نے پاکستان کو جمہوری عام انتخابات میں ووٹ دینے کا موقع فراہم کیا۔

الزامات لگائے گئے تھے کہ انتخابات میں دھاندلی کی گئی تھی۔ پولنگ میں ایک متاثر کن فتح حاصل کرنے کے بعد مسٹر بھٹو کو فوجی بغاوت کے ذریعے اقتدار سے محروم کیا گیا۔ ایسے حالات میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ قانونی عمل کہاں سے شروع ہوتا اور کہاں ختم ہوتا ہے؟

پاکستان کے ٹوٹنے اور بنگلہ دیش کے قائم ہونے کے بعد کے برسوں میں، پاکستان کے دارالحکومت پنڈی میں سیاسی رہنماؤں کا اولین مقصد بچے کھچے پاکستان کو متحد رکھنا تھا۔ مسٹر بھٹو اپنے دورِ اقتدار میں اس مقصد کے لئے وقف رہے۔ لیکن اگر سب نہیں تو ان کی کچھ زیادتیوں کی وضاحت ان کے اس ارادے سے ہوسکتی ہے کہ ملک کے اتحاد کو ہر قیمت پر برقرار رکھا جائے۔

ہندوستان کی آج کی صورتِ حال سے موازنے سے بچا نہیں جاسکتا۔ جہاں مسز اندرا گاندھی سیاسی گمنامی سے ایک بار پھر اقتدار حاصل کرنے کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ اگر بچ گئے تو مسٹر بھٹو بھی ایسا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

جب کہ ہندوستان میں مسز گاندھی کی کوششوں کے باوجود جمہوریت کامیاب رہی ہے۔ پاکستان میں سیاسی آزادی کی کوششیں، انتشار پر منتج ہوئیں۔ پاکستانی رہنما خود سے یہ سوال ضرور کر رہے ہوں گے کہ آیا وہ مسٹر بھٹو سے مزید معاملات طے کر سکتے ہیں۔ اگر نہیں کر سکتے تو کیا وہ ان کے بغیر گزارہ کر سکتے ہیں؟

اس حقیقت سے قطعی طور پر انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی منفی اقدام پاکستان کو خانہ جنگی سے ملتی جلتی صورتِ حال میں جھونک سکتا ہے۔ اگر سپریم کورٹ فیصلے کو برقرار رکھتا ہے تب بھی صرف قانونی کارروائی کی تکمیل سیاسی نوعیت کے ہمہ گیر سوالات کا جواب دینے کے قابل نہ ہوگی۔ مثال کے طور پر یہ سب کو معلوم ہے کہ پاکستان میں موجود حالات میں مسٹر بھٹو کا دفاع معمولی قانونی کارروائی کے مطابق نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی ظاہر ہے کہ عدالت نے بہت بڑی حد تک، جھوٹی قسم کھانے والے فیڈرل سیکورٹی فورس کے سابق ڈائرکٹر جسے اقبالی مجرم بننے کے لئے معافی دی گئی تھی ملک کے اقبالی بیانات پر انحصار کیا ہے۔

بہترین قانونی حالات میں بھی کسی وعدہ معاف گواہ کی شہادت کو ممتاز قانون دانوں کی نظر میں مشکوک سمجھا جاتا رہا ہے۔

قانونی پہلو اس معاملے میں فیصلہ کن عنصر نہیں ہے۔ بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک بار اقتدار سے محروم کیے جانے والے سیاسی رہنماؤں کو ہلاک کرنے کا عمل قبول کر لیا جاتا ہے تو پھر اس کا اختتام کبھی نہیں ہوگا۔ یہ پاکستان جیسے ملک کے لئے تباہ کن ثابت ہوسکتا ہے۔ جہاں فوجی بغاوتوں، مارشل لاؤں اور سیاسی تبدیلی کے لیے غیر معمولی طریقوں کی تاریخ کے باوجود کم از کم اس انداز میں خون نہیں بہایا گیا ہے۔

مسٹر بھٹو، جنہیں بلاشبہ پاکستان کے عوام کا رہنما تسلیم کیا جاتا ہے، کے حوالے سے ایک مثال قائم کر کے ایک ایسی خون کی پیاسی روایت کی ابتدا ہوگی جس کے نتائج اتنے دہشتناک ہوں گے کہ اس ملک کا کوئی دوست انہیں ٹھنڈے دل سے قبول نہیں کر سکتا۔

بلاشبہ مسٹر بھٹو اپنے دورِ اقتدار میں پاکستان کی سیاست میں آمریت اور بگاڑ کے ذمہ دار رہے ہیں ذمہ دار مبصرین نے مسٹر بھٹو کی معزولی تک کو بھی ایسے اقدام کے طور پر خوش آمدید کہا تھا جو پاکستان کو خانہ جنگی سے بچانے کے لئے لازمی ہو گیا تھا۔ لیکن عوام کے ایک مسلمہ رہنما کے خلاف فوجی حکمرانوں کا کوئی منفی قدم ان خطرات میں اضافہ کرے گا جو ملک کو درپیش ہیں۔

بھٹو صدر سے رحم کی اپیل نہیں کریں گے

بھٹو کے وکلاء کا انکشاف

دی گارجین، ۲۰ مارچ ۱۹۷۸ء

سائمن ونچسٹر

کل صبح جب ذوالفقار علی بھٹو کے وکیل نے خستہ سالخوردہ کوٹ لکھپت جیل میں ان سے ملاقات کی تو وہ اپنی کوٹھری کے برآمدے میں دھوپ میں بیٹھے سگار پی رہے تھے۔ وہ اس بات سے قطعی لاتعلق معلوم ہوتے تھے کہ انہیں حال ہی میں پھانسی کی سزا سنائی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جنرل انہیں ختم کرنے پر تلے ہوتے ہیں۔ اس لئے ایک رسمی اپیل کی مصیبت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ ایک سعیٔ لاحاصل ہوگی۔ اور انہوں نے اپنے وکیل کو گھر واپس بھیج دیا۔

اگر یہ قائمی ہوش و حواس ہے تب اس کا منبع مسٹر بھٹو کی خود اعتمادی یا خود فریبی کی حیران کن استعداد ہے انہوں نے پچھلے دنوں ایک عدالتی حلف نامے میں دعویٰ کیا کہ "میرا رتبہ ستاروں میں لکھا ہوا ہے۔ پاکستان کے عوام میری قیادت کے تمنائی ہیں۔

مسٹر بھٹو کی بدقسمتی سے وہ ہم خیال نہیں معلوم ہوتے۔ سزا کے خلاف عوامی غصّے کا کچھ اظہار ضرور ہوا ہے کل کچھ لوگ تھوڑی دیر کے لئے لاہور کے ایک کارخانے کی چھت پہ کھڑے رہے۔ چند طلباء جمع ہوتے اور نعرے لگاتے "جنرل ضیاء - - - - -" اس وقت تک کہ سپاہیوں کے ایک جتھے نے دلچسپی لینی شروع کی۔ راولپنڈی میں ایک مختصر وقت کے لئے جلوس نکلا جس کے نتیجے میں ۱۶ افراد کو ایک ایک سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ لیکن عام طور پہ قوم نے مسٹر بھٹو کے ممکنہ انجام کی خبر ضبط و تحمل سے سُنی جس سے پیپلز پارٹی کے کارکن بددل ہوگئے۔

یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ یہاں وکلاء کی طرف سے آزادیٔ پاکستانی عدلیہ پر سارے زور اور جوش کے باوجود یہ پاکستان کے اندر جنرلوں کا پیدا کردہ موڈ ہوگا جو آئندہ چند دنوں یا چند ہفتوں میں ہونے والے واقعات کا تعین کرے گا۔ قانونی نظائر اور بالسبری کے استعاروں سے۔ وہ فیصلہ جو لاہور ہائی کورٹ نے پچھلے سینیچر کو سنایا بنیادی طور پہ ایسا فیصلہ تھا جس کی جنرل ضیاء اور ان کے ہم نوالہ لوگوں کو خواہش ہوتی۔

یہاں کل ملک کے ایک ممتاز وکیل نے کہا کہ "پاکستان کی عدالتوں میں آزادی کا رنگ گہرا ہے لیکن آپ کو اس مقدمے کو ذرا مختلف انداز میں دیکھنا ہوگا۔ ہر آدمی جانتا ہے کہ بھٹو نے اپنے دورِ اقتدار میں لوگوں کو قتل کروایا۔ یہ بات ہر ایک کے علم میں ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ اس مقدمے میں تمام ضروری شہادتیں حاصل کرنا مشکل رہا ہو۔ گواہی کے کٹہرے میں گواہوں سے جھوٹ بلوایا جاتا کیا یہ واقعی اہم بات ہے کہ وہ مجرم ہے یا نہیں۔ اصل چیز یقین ہے عوام کے بھلے کے لئے اس کی ضرورت تھی۔"

پاکستان کی جدید اخلاقیات کا تانا بانا یہ ہے۔ ہائی کورٹ اور اس کے پانچ جسٹسوں نے بھٹو مقدمے میں جو رویّہ اپنایا اس پہ تنقید کی جائے تو اس الزام کو دعوت دینا ہوگا کہ مشرق کے مسائل کو مغرب کے ذہن سے پرکھا جا رہا ہے۔ یہ حقیقت قطعی غیر متعلق گردانی جانی چاہیئے کہ عدالت، کمرۂ عدالت، طریقہ کار اور حوالے کی اسناد "راج" کی زندہ یادگار ہیں۔ پاکستان میں جسے انصاف کہا جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ شہنشاہیت کے اپنی پسپائی کے وقت چھوڑے ہوتے ماحول میں درست نہ پایا جائے لیکن اگر اس کا ایشیا کے کم بالغ نظر ایشیائی ممالک کے انصاف سے موازنہ کیا جائے تو اسے کم از کم انصاف کے ایک عنصر کا حامل پایا جا سکتا ہے۔ یہی وہ معنوی استدلال ہے جو پاکستانی وکلاء لاپرواہی کے ساتھ اس تنقید کے دفاع میں پیش کرتے ہیں جو ان کے نظام اور یہ ان کے سابق وزیر اعظم کے ساتھ جس طرح استعمال ہوتا محسوس ہوتا ہے، پر کی جاتی ہے۔

پھانسی دیئے جانے سے پہلے مسٹر بھٹو کے بچاؤ کی تین ممکنہ صورتیں ہیں۔ وہ سپریم کورٹ سے اپیل کر سکتے ہیں۔ وہ صوبے کے گورنر سے رحم کی درخواست کر سکتے ہیں یا وہ صدرِ پاکستان سے رحم کی درخواست کر سکتے ہیں۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ سنیچر کو سنایا جانے والا فیصلہ جنرل ضیاء چاہتے تھے اور انہوں نے حاصل کر لیا ہے تو یہ فرض کرنا بڑی منطقی بات ہوگی کہ وہ پہلے ہی تینوں صورتوں کا کافی حد تک سدِباب کر چکے ہوں گے۔

مثال کے طور پہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس خوش پوش حاضر جواب، آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ دستور دان انوار الحق ہیں۔ اس وقت کے بھٹو کے نامزد کردہ عدالت کے چیئرمین کی مدتِ ملازمت میں توسیع کے لئے مقننہ سے عجلت میں نئے قوانین بنواتے اور دستوری ترامیم منظور کروائی جاتی تھیں۔ بھٹو کا خصوصی مطالعہ کرنے والے کہتے ہیں کہ انوار الحق کو نیچے رکھنا وزیر اعظم کی اس بیمارانہ ناپسندیدگی کے عین مطابق ہے کہ ذہین لوگوں کو ان کے تربیب با اختیار عہدے نہ دیئے جائیں لیکن مقصد چاہے کچھ ہو جنرل ضیاء نے اس کے برعکس سوچا۔ پچھلی جولائی میں بغاوت کے دو ماہ بعد ضیاء نے دستوری ترمیمات کو منسوخ کر دیا۔ بھٹو کے نامزد کو برطرف کیا اور وہ عہدہ انوار الحق کو دیا جو واضح طور پر اس کے لئے ضروری قابلیت کے حامل ہیں نتیجتہً یہ بات ہے کہ عدالت غیر جذباتیت کا مظاہرہ کرے گی

یقیناً مسٹر بھٹو کی قانونی ٹیم دس وکلاء پہ مشتمل ہے اور جن میں سے کوئی بھی کوئی خصوصی مہارت نہیں رکھتا۔ وہ وہ افسردہ ہے۔ وہ اپنے موکل کی سزا کے قطعی ہونے کے بارے میں باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "بین الاقوامی دباؤ" ہی انہیں بچانے کا طریقہ ہے۔ وہ اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ بھٹو نہ تو گورنر پنجاب سے نہ صدرِ پاکستان سے رحم کی درخواست کریں گے۔ کیا جنرل ضیاء بغیر کسی درخواست کے معافی دینے کی سفارش کریں گے؟

یہاں اکثر لوگ اس پہ شبہ ظاہر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ بھٹو چند ہفتوں میں مر جائے گا۔ اپنی پیش گوئی کی خوشی میں لاہور میں ایک شخص چاکلیٹ کے ڈبے بانٹ رہا تھا۔ اس پہ صرف حیران ہوا جا سکتا ہے کہ کتنے لوگ خوشی منائیں گے اور کتنے لوگ اس نازک سے، چھوٹے سے ملک کو توڑنا چاہیں گے۔
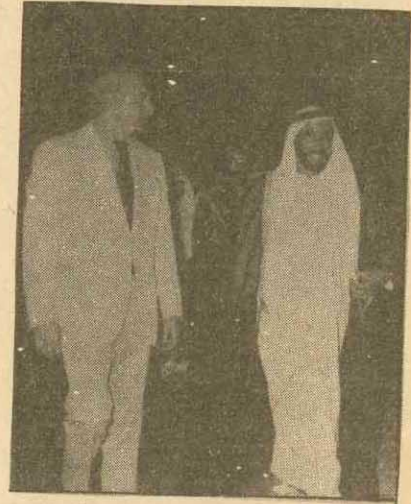
دوستوں کو صدمہ ہوگا

دی ٹائمز، لندن کا اداریہ • ۲۰ مارچ ۱۹۷۸ء
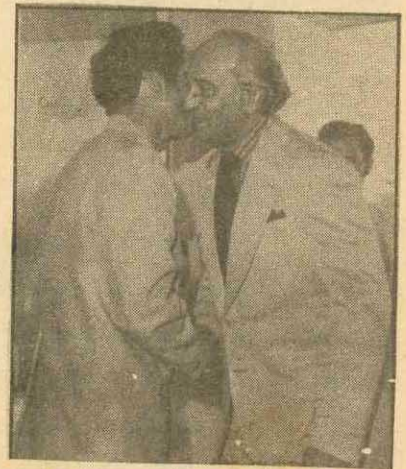
مسٹر بھٹو کو پنجاب ہائی کورٹ نے قتل کا مجرم قرار دیا ہے اس لئے اب وہ بظاہر ایک سیاسی قیدی نہیں بلکہ عام قوانین کے تحت سزا یافتہ ایک مجرم ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا مقدمہ ایک سیاسی مقدمہ تھا اور یہ کہ بھٹو کو سزائے موت دینا ایک سیاسی عمل ہوگا۔ جس کے زبردست سیاسی نتائج نکلیں گے۔

اس کا لازمی طور پر یہ مطلب نہیں ہے کہ پنجاب کے ججوں کی غیر جانبداری پر اعتراض کیا جا رہا ہے اور یہ مطلب تو قطعی نہیں ہے کہ مسٹر بھٹو کو نواب محمد احمد خاں کی موت کی کسی ذمہ داری سے بری قرار دیا جاتے۔ یہ بات واضح ہے کہ جن لوگوں نے نواب کو ہلاک کیا وہ ان کے بیٹے اور مسٹر بھٹو کے ایک نمایاں مخالف مسٹر احمد رضا قصوری کو ہلاک کرنا چاہتے تھے اور یہ کہ وہ بھٹو حکومت کے ایجنٹ کے طور پر کام کر رہے تھے۔ مزید برآں یہ ثبوت بھی موجود تھا کہ اس معاملے میں مسٹر قصوری کے "صفائے" کے لئے خصوصی حکم مسٹر بھٹو نے ذاتی طور پر دیا تھا۔ شاید یہ عدالت اس ثبوت کو ایسا قطعی اور ناقابل تردید نہ پاتی جیسا کہ پنجاب ہائی کورٹ نے پایا ہے۔ لیکن یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے تعین کا جائز اختیار سپریم کورٹ کو ہے بشرطیکہ مسٹر بھٹو اپنے وکلاء کے مشورے کے مطابق اپیل کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ یہ مقدمہ صرف مخصوص حالات ہی میں چل سکتا تھا۔ یہ حالات فوجی بغاوت کے ذریعہ مسٹر بھٹو کا تختہ الٹنے اور اس کے بعد فوج کے رہنماؤں کے اس فیصلے سے پیدا ہوئے کہ نئے انتخابات کرانے سے پہلے مسٹر بھٹو سے عدالت میں نمٹا جائے۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ فیصلہ اس حقیقت سے متاثر ہو کر کیا تھا کہ مسٹر بھٹو کو اب بھی بڑی حد تک عوامی حمایت حاصل تھی۔ اس میں اس خوف کا بھی دخل تھا کہ اگر انہیں برابری کی بنیاد پر الیکشن میں مقابلہ کرنے کا موقع دیا گیا تو وہ سچ مچ الیکشن جیت سکتے ہیں۔ اگر ایسا ہو جاتا اور وہ دوبارہ اقتدار میں آجاتے تو نہ صرف یہ کہ ان پر مستقبل میں مزید مقدمہ چلنے کا سوال باقی نہ رہتا بلکہ زیادہ ممکن بات یہ ہے کہ وہ ان کا تختہ الٹنے والے فوجی افسروں کے خلاف مقدمہ شروع کرتے۔

ضروری نہیں کہ اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ مسٹر بھٹو پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کوئی وقار کے منافی فیصلہ تھا۔ ایک آدمی جس نے اقتدار میں رہتے ہوئے سخت جرائم کا ارتکاب کیا ہو اسے دوبارہ عوامی عہدے پر فائز ہونے کے نااہل قرار دینا معقول بات ہے اور یہ دلیل دینا بھی کوئی غیر معقول بات نہیں تھی کہ لوگوں کو مسٹر بھٹو کے حق میں یا ان کے خلاف ووٹ دینے کی دعوت دینے سے پہلے یہ جاننا لوگوں کا حق ہے کہ آیا انہوں نے وہ جرائم کئے بھی ہیں یا نہیں جن کا ان پر الزام لگایا جا رہا ہے۔ کسی قانونی عدالت کے سوا اور کیسے اسے ثابت کیا جا سکتا تھا؟ لیکن اگر مسٹر بھٹو کو بری کر دیا جاتا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ خطرناک سیاسی حریف کے طور پر ابھرتے۔ اس لئے ہر آدمی اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ "مجرم" ہونے کا فیصلہ ہی وہ چیز ہے جو نئے حکمران چاہتے ہیں۔ اسی دوران حکمرانوں نے یہ دکھلا دیا تھا کہ وہ کسی بھی قسم کی سیاسی مخالفت سے سختی اور بے رحمی کے ساتھ نمٹنے کے لئے تیار ہیں۔ اس طرح عدالت بھاری سیاسی دباؤ کے تحت غور و خوض کر رہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے عدالت کے نتائج کو متاثر نہ کیا ہو لیکن یہ ناگزیر طور پر مسٹر بھٹو کے، حامیوں کے لئے ان نتائج کو درست تسلیم کرنے کے لئے آمادگی پر اثر انداز ہوگی۔

ان حالات میں اگر مسٹر بھٹو کو پھانسی دی جاتی ہے تو اسے لازمی طور پر ایک منصفانہ سزا نہیں گردانا جائے گا بلکہ اسے ایک خطرناک سیاسی مخالف کا سفاکانہ صفایا سمجھا جائے گا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہی وہ الزام ہے جس پر مسٹر بھٹو کو سزا دی گئی ہے۔ یہ یقینی طور پر دولت مشترکہ میں پاکستان کے دوستوں کے لئے صدمے کا باعث ہوگا جنہوں نے مسٹر بھٹو کے پاکستان کو دولت مشترکہ سے نکالنے کے فیصلے پر اظہار افسوس کیا تھا۔ اور ایک حکمران کی حیثیت سے ان کی مسلّم کوتاہیوں سے آگاہ تھے۔ لیکن بہر صورت وہ مسٹر بھٹو کو پھانسی سے بہتر انجام کا مستحق سمجھتے ہیں۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ یہ پاکستان کے اندر سول امن کی بحالی کو کچھ آسان نہیں بلکہ زیادہ مشکل بنا دے گا۔ یہ مسٹر بھٹو کو ان کے حامی غیر تعلیم یافتہ عوام میں شہید کا درجہ دے دے گا۔ اور شاید پڑھے لکھے لوگوں میں سے بھی کئی ایک کو تبدیل کر دے جو ابھی تک مسٹر بھٹو کے لئے کوئی ہمدردی محسوس نہیں کر رہے ہیں۔ یہ موجودہ حکمرانوں کو رائے عامہ کے بڑے حصے کی نظروں میں مجرم بنا دے گا اور سیاسی انتقام کے ایک ایسے چکر کا افتتاح کرے گا جس سے بچنا بہت مشکل ہو گا۔ بلاشبہ جنرل ضیاء کی وہ فہم ہوگی کہ وہ اپنے ملک اور اپنی ذات کو ان اضافی خطرات سے بچا لیں۔

کیا بھٹو سزاوار ہیں؟

خشونت سنگھ ۔ خشونت سنگھ، السٹریٹیڈ ویکلی آف انڈیا، بمبئی ۲۶ مارچ ۷۸ء

دورِ حاضر کے عالمی سیاستدانوں میں ایک انتہائی رنگارنگ، شاہانہ، پُرغرور، عالم، فاضل۔ مدبّر اور متلوّن مزاج اور کینہ پرور بھی، شراب، عورت اور زندگی کی دوسری اچھی چیزوں پر نظر رکھنے والا۔ جسے بنگلہ دیش کی علیحدگی کا ذمّہ دار قرار دیا گیا ہے لیکن بچے کھچے پاکستان میں استحکام لانے، جمہوری اداروں اور بنیادی انسانی حقوق کی بحالی اور ہندوستان سے سفارتی اور دوستانہ تعلقات بحال کرنے کا سہرا بھی جس کے سر باندھا جاتا ہے، قائداعظم محمد علی جناح کے بعد وہ پاکستان کا سب سے زیادہ ہر دلعزیز رہنما ہے وہ اب پھانسی کی کوٹھری میں موت کا منتظر ہے

وہ کہتے ہیں کہ قتل کی سزا پھانسی کے ذریعے موت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو شخص قتل پہ اکساتا ہے وہ بھی اتنا ہی مجرم ہے جتنا کہ لبلبی دبانے والا۔ وہ کہتے ہیں کہ قانون کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں۔ شاہزادے کو بھی اپنے اعمال کی وہی قیمت ادا کرنی پڑے گی جو بھکاری کو۔

جس طرح جب کسی ہائی کورٹ کی فل بنچ کسی شخص کو قتلِ عمد کا مجرم قرار دیتی ہے تو فیصلہ بلاحیل وحجت قبول کیا جانا چاہیئے۔ وہ کہتے ہیں بہر صورت ہمارا آخر اس سے کیا تعلق ہے؟ یہ ان کا اندرونی معاملہ ہے اور تمہیں اپنی گندی ناک اس میں گھسیڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

کیا تم نہیں جانتے کہ غیر ممالک سے تعلقات کو خطرے میں ڈالنے والے تبصروں کی اشاعت کے خلاف ایک قانون موجود ہے؟ کیا تم نہیں چاہتے کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اچھے تعلقات رہیں؟

ہمیں بولنے کا حق ہے

ہندوستان اور پاکستان کے عوام کے درمیان برادرانہ تعلقات رہیں عوام اور ان کی متعلقہ حکومتوں کے درمیان ایک واضح اور درست امتیاز رکھتا ہوں) میرے لئے ایمان کا درجہ رکھتے ہیں۔

میں نے ان کے لئے اس وقت سے جدوجہد کی ہے جب اگست ۱۹۴۷ء میں مجھے پاکستان بدر کیا گیا تھا۔ ایسا کرنے پر مجھے خود اپنے ہم وطنوں کی ملامت کا نشانہ بننا پڑا ہے۔ پھر بھی میں بھٹو سے برتے جانے والے سلوک کے پیچھے کارفرما فہم پر اعتراض کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔ کیونکہ میں یقین رکھتا ہوں ایک ہمسایہ ملک کی حیثیت سے ہم اس بارے میں جو محسوس کرتے ہیں ہمیں اس کے اظہار کا حق ہے۔ اگر قانون اس کے لئے سزا تجویز کرتا ہے تو یہ قانون کی خرابی ہے۔

میں جانتا ہوں کہ پاکستان کے عوام کی عظیم اکثریت میری ہم خیال ہے اور جب اس کو اپنی رائے کے اظہار کی اجازت ہوگی تو وہ کہیں گے "ہم پاکستانیوں پر مارشل لا لاگو تھا اور حکمرانوں پر تنقید کرنے پر ہمیں کوڑے لگ سکتے تھے۔ ہمیں خوشی ہے کہ سرحد پار سے ہمارے بھائی ہمارے لئے بولے۔"

کئی مثبت اقدامات

ابتدا ہی میں مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ میں ذوالفقار علی بھٹو کا بڑا مدّاح نہیں ہوں۔ میں نے امریکی ٹی۔وی پر اقوامِ متحدہ میں ان کا مظاہرہ دیکھا، جس میں انہوں نے ہندوستانیوں کو کتوں سے تشبیہہ دی۔ میں نے ان سے ان سخت باتوں کے بارے میں سوال کیا جو انہوں نے مسز گاندھی کے بارے میں کہی تھیں۔ وہ بڑے اکھڑ باز اور مشتعل ہو جانے والے سیاستدان ہیں۔ ہائی کورٹ نے انہیں "عادی جھوٹا" کہا ہے۔ اکثر سیاستدان ہوتے ہی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ وہ بڑے عالم، ذہین اور قابل رہنما ہیں۔ ان کے حق میں اور بھی مثبت نکات ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ہمارے ہاتھوں پاکستان کے تباہ کن شکست کھانے کے بعد انہوں نے اپنے بچے کھچے ملک کو متحد رکھا۔ گو چند لوگوں کو یقین ہے کہ وہ پاکستان کے ٹوٹنے کے ذمہ دار تھے۔ بہت سے لوگ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ بنگلہ دیش اور پاکستان کے درمیان حائل ۲۰۰۰ میل کے ہندوستانی علاقے، نسل اور زبان کی دوری کی وجہ سے اس کی علیحدگی ناگزیر تھی۔

بھٹو نے شیخ مجیب الرحمٰن کو تختۂ دار سے بچا کر خود کو بچا لیا اور ان کے قتل کے بعد بنگلہ دیش سے دوستانہ رشتے قائم کئے۔ اس بات کا سہرا بھی بھٹو کے سر ہے کہ انہوں نے سرحدوں پر کشیدگی میں کمی کی اور ہندوستان سے سفارتی تعلقات بحال کئے۔

انہوں نے ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا، جسے مسز گاندھی نے شملہ میں تھام لیا۔ انہوں نے پاکستانی عوام کے لئے جمہوریت اور بنیادی انسانی حقوق بحال کئے۔

یہ بھٹو کی چکنی چپڑی باتیں نہیں تھیں جنہوں نے انہیں اپنے ملک کا سب سے زیادہ واحد مقبول شخص بنا دیا۔ پاکستان میں کوئی اس بات سے انکار نہیں کرتا کہ پچھلے انتخابات میں مکمل فاتح تھے اور جائز طور پر وزارت عظمیٰ پر فائز رہ سکتے تھے بشرطیکہ وہ اور ان کے حاشیہ بردار بے دقوفانہ گھبراہٹ میں پولنگ میں دھاندلی کر کے اسے مہمل نہ بنا دیتے۔

نہ ہی پاکستانی اس بات پر تکرار کرتے ہیں کہ اگر دوسرے انتخابات منعقد ہوتے تو بھٹو کی پاکستان پیپلز پارٹی، حزبِ اختلاف کی پانچ جماعتوں، "ترقی پسند" "تحریک" اور نیراجی ملاؤں سے بھری "جماعت" کو بہت پیچھے چھوڑ کر دوبارہ جیت جاتی۔

ذوالفقار علی بھٹو کے مقدمے اور سزائے موت کے بارے میں کئی پریشان کن باتیں ہیں جس قتل کے لئے انہیں سزا دی گئی ہے وہ چار سال قبل ہوا تھا۔

اس وقت کسی نے ممکنہ قاتل کے طور پر بھٹو کا نام نہیں لیا۔ بلاشبہ بھٹو کو کلی اختیار حاصل تھا اور پاکستانی پریس کا، جیسا کہ ہمیشہ رہا ہے، سختی سے منہ بندھا ہوا تھا۔ لیکن درجنوں غیر ملکی اخباری نمائندے تھے، جو ملک چھوڑنے کے بعد جرم سے ان کے تعلق کے بارے میں لکھ سکتے تھے۔ کسی ایک نے بھی ایسا نہیں کیا۔ ان ممالک میں جہاں پریس پابند ہوتا ہے، افواہیں مہلک خصوصیات اختیار کر لیتی ہیں میں کئی بار پاکستان میں رہا ہوں اور ایسے دوستوں میں رہا ہوں جو بھٹو کے پُرجوش مخالف تھے۔ میں نے بھٹو کے بارے میں بے شمار باتیں سنیں۔" ان کے پاکستان کو توڑنے کے اصل منصوبہ ساز ہونے کے بارے میں، ان کی اقتدار کی شدید خواہش کے بارے میں، ان کے بے اصول، لچر اور شرابی ہونے کے بارے میں۔"

مذمت میں تمام مبالغوں میں کبھی کسی نے اس رائے کا اظہار نہیں کیا کہ ان کے منفی نکات میں قتلِ عمد میں ملوث ہونا بھی شامل ہے۔

خطرناک روایت

ایسے کئی لوگ ہیں جن کے لئے بھٹو کی اقتدار میں واپسی سیاسی موت کی سزا سنائے جانے کا درجہ رکھتی ہے۔ ہمیں ان کے نام گنوانے کی ضرورت نہیں لیکن حصولِ اقتدار میں خطرناک حریفوں سے نمٹنے کے لئے انہیں تختۂ دار پر پہنچانے کے علاوہ بھی دوسرے طریقے ہیں۔ پاکستان کے مستقبل کے حکمران ہو سکتا ہے کہ آئندہ نسلوں تک سازشوں، قتل، اور انتقامی کاروائیوں کے خوف کے سائے میں حکومت کریں۔ آزمائش کے اس وقت میں ہمارے دل اپنے سرحد پار کے بھائیوں کے ساتھ ہیں

کیا بھٹو کے ساتھ مُنْصَفانہ کارروائی مُمکِن ہے

فری پریس جرنل، بمبئی کا اداریہ، ۲۱ مارچ ۱۹۷۸ء

لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے مسٹر بھٹو کو دی جانے والی سزائے موت نے دنیا کے طول و عرض میں صدمے کی لہر دوڑا دی کیونکہ پاکستان اور بیرونی دنیا میں اس ملک سمیت، توقع یہ کی جا رہی تھی کہ سابق وزیراعظم کی جان بخش دی جائے گی اور اپنے اقتدار کے دوران انہوں نے جو سیاسی جرائم کئے اس کے لئے ایک لمبی مدت کی سزائے قید سے انصاف کے تقاضے پورے ہو جائیں گے۔ اب جب کہ مسٹر بھٹو اور چار افراد کو انتہائی سزا سنائی جا چکی ہے، ذہن میں فطری طور پر یہ سوال اُبھرتا ہے کہ آیا مارشل لا انتظامیہ کے تحت ان کے ساتھ منصفانہ کارروائی ہوئی ہے یا نہیں؟

پاکستان کے عدلی عمل کو آزادانہ اور بے خوفی کے ساتھ کام کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ گو ہم پاکستان کی عدلیہ کی دیانتداری پر شک کرنے کی کوشش نہیں کریں گے تاہم جس انداز میں مقدمے کی کارروائی نمٹائی گئی، اس سے زیادہ اہم، ملک سے بھٹو ازم کے تمام نشانات مٹانے کے لئے جنرل ضیا کی شدید نوعیت کی مہم کے پیشِ نظر شبہات ضرور پیدا ہوتے ہیں۔

یہ بات بالکل عیاں تھی کہ مارشل لا ایڈمنسٹریٹر

مسٹر بھٹو اور ان کے شرکا کے بارے میں عدالت کے فیصلے کے نتیجے میں ملک میں ہونے والی کسی ممکنہ شورش کو روکنے کے لئے حفظِ ماتقدم کے اقدامات کر رہے سزا یافتہ پاکستانی رہنما جو پہلے ہی قومی شہید کا ہالہ حاصل کر چکے ہیں، کے لئے مزید ہمدردیاں پیدا کرے گا۔ اگر سپریم کورٹ بھی ہائی کورٹ کے فیصلے کو برقرار رکھتا ہے تو ایسی صورت میں تو یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ پاکستان کو فراخدلی سے امداد دینے والے مسلم ممالک، مثلاً سعودی عرب، ایران اور لیبیا کے حکمران جنرل ضیا کو سزائے موت میں تخفیف پر آمادہ کریں گے۔

یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ پاکستان میں ہونے والے واقعات، مسٹر واجپائی کے حالیہ دورۂ اسلام آباد سے قبل تھے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے سینکڑوں کارکنوں کو جیل میں نظر بند کیا گیا ہے۔ تمام سیاسی سرگرمیوں پر عملاً پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ مسٹر بھٹو کی بیوی اور بیٹی کو کافی عرصے سے زیرِ حراست رکھا گیا ہے۔

مارشل لا انتظامیہ پر جو بڑا سوالیہ نشان آ دیزاں ہے وہ یہ ہے کہ آیا ایسے سخت اقدامات مسٹر بھٹو کے حامیوں کی ناراضگی کو لمبے عرصے تک قابو میں رکھ سکیں گے؟ ملک کے غیر جانبدار حلقے بھی عدالت کے فیصلے کو جنرل ضیا کی ذاتی اور سیاسی منتقم مزاجی کے اکسائے عمل کے طور پر نہیں لیں گے؟ یہ جذبہ لازمی طور پر شروع ہونے والے اس ملک سے تعلقات کو معمول پر لانیکا عمل سُست ہو جائیگا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ پاکستان کے حکمران بلا استثناء قومی بحران کے وقت رائے عامہ کا رُخ بدلنے کے لئے ہندوستان کا ہوّا کھڑا کرتے رہے ہیں۔ مسٹر آغا شاہی اقوام متحدہ میں کشمیر کا مسئلہ اٹھا کر اس عمل کی ابتدا پہلے ہی سے کر چکے ہیں ●●

ایک شخص کی مالیت

امر جلیل

بیس بائیس برس کا ایک نوجوان دوڑتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہوا۔ اُس وقت اس کی بوڑھی ماں شہرۂ آفاق کتاب "طلسم ہوشربا" کا بغور مطالعہ کر رہی تھی۔ وہ آتے ہی اپنی ماں سے لپٹ گیا اور کہنے لگا "میں آج بہت خوش ہوں ماں۔"

ماں نے پوچھا "تجھے کوئی ملازمت مل گئی ہے بیٹے!"

"نہیں ماں۔"

ماں نے تعجب سے پوچھا "پھر کیا بات ہے؟"

اس نے چہکتے ہوئے کہا "سنانے کو بہت ہی اچھی خبر لایا ہوں۔"

"کیا تیرا پرائز بانڈ نکل آیا ہے۔"

"نہیں۔"

"عبرتناک معمّے کا پہلا انعام ملا ہے تجھے۔"

"نہیں ماں۔ نہیں۔"

"کیا بازار سے آٹا ملنے لگا ہے۔"

"ارے نہیں ماں۔ وہ بات ہی کچھ اور ہے۔"

"کیا لوگوں نے سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ مان لیا ہے۔"

"اس بات کا ان چیزوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"کیا مدعی سست اور گواہ چست ہو گئے ہیں"

"نہیں ماں" بیٹے نے کہا۔ "میں بس اتنا جانتا ہوں کہ اس سے زیادہ اچھی بات تو نے پہلے کبھی نہیں سُنی ہوگی۔"

ماں نے غور سے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا بات ہے غلام رسول۔"

"میری طرف غور سے دیکھ ماں۔"

"کیوں!"

"میں تجھے کیسا لگتا ہوں!"

"فی الحال تو، تو مجھے ٹھیک لگ رہا ہے۔"

غلام رسول نے پوچھا۔ "تو میری مالیت کا تعین کر سکتی ہے۔"

"کیسی مالیت!" ماں نے کہا "تیرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔"

غلام رسول نے کہا "جب ہم نہیں چل سکتے تو پھر ہمارا دماغ کیسے چل سکتا ہے۔"

ماں نے پھر سے "طلسم ہوشربا" کا مطالعہ کرتے ہوئے کہا۔ "تو نہ جانے کیا ہانک رہا ہے"

"میں سیاست دان نہیں ہوں۔" غلام رسول نے کہا۔

"پھر بتاتا کیوں نہیں۔" ماں نے پوچھا۔

"وہ بات طلسم ہوشربا سے زیادہ ہوشربا ہے۔" غلام رسول نے کہا۔ "میں تیرا چلتا پھرتا ڈیمانڈ ڈرافٹ ہوں۔ تو جب چاہے مجھے بھنا سکتی ہے۔"

"چل ہٹ۔" ماں نے کہا۔ "ایم اے کی ڈگری لئے بیکار پھر رہا ہے۔ تو کہاں سے ڈیمانڈ ڈرافٹ ہو گیا۔"

"یقین کر ماں۔ میں تیرا چلتا پھرتا ڈیمانڈ ڈرافٹ ہوں۔" غلام رسول نے کہا۔ "تو جب چاہے مجھے بھنا سکتی ہے۔ میری مالیت سولہ ہزار روپے ہے۔"

ارے! تو کیا اسکوٹر ہے کہ تیری مالیت سولہ ہزار روپے ہے۔" ماں نے کہا "چل بھاگ جا۔ مجھے طلسم ہوشربا پڑھنے دے۔"

"میں فی الحال اپنی گرل فرینڈ الہ رکھی کے پاس جا رہا ہوں۔" غلام رسول نے کہا۔ لیکن جب بھی تجھے سولہ ہزار روپوں کی ضرورت ہو۔ مجھے بتا دیجیو۔ تجھے پیسے مل جائیں گے۔"

ماں نے مسکرا کر اپنے بے روزگار ایم۔اے پاس بیٹے غلام رسول کی طرف دیکھا اور کہا۔ "پگلا کہیں کا!" اور پھر وہ انہماک سے طلسم ہوشربا کا مطالعہ کرنے لگی۔ غلام رسول اپنی دوست الہ رکھی کے پاس چلا گیا۔

الہ رکھی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے غلام رسول نے کہا۔ "ساری خدائی ایک طرف جورو کا بھائی ایک طرف۔ خدا کی قسم الہ رکھی میں تجھ سے شادی کر کے رہوں گا۔"

"تیری میری شادی نہیں ہو سکتی۔" الہ رکھی نے کہا۔ "تیرے میرے درمیان سماج کی دیوار ہے۔"

غلام رسول نے کہا۔ "میں اس دیوار کو گرا دوں گا۔"

الہ رکھی نے پوچھا۔ "تو کیا ٹارزن ہو گیا ہے غلام رسول۔"

"نہیں۔"

"سیمسن ہو گیا ہے تو۔"

"نہیں تو!"

"کیا ہرکولیس ہو گیا ہے تو۔"

"نا۔"

"میں سمجھ گئی۔" الہ رکھی نے کہا۔ تجھے ملازمت مل گئی ہے۔"

"مل جانے کو کیا نہیں ملتا ہمارے معاشرے میں۔" غلام رسول نے کہا۔ "بس ملازمت نہیں ملتی۔"

الہ رکھی نے اداس ہوتے ہوئے کہا۔ "پھر تو سماج کی دیوار کیسے گرائے گا۔"

"سماج کی دیوار دولت سے گرتی ہے الہ رکھی۔" غلام رسول نے کہا "میری طرف غور سے دیکھ۔"

الہ رکھی نے تعجب سے غلام رسول کی طرف دیکھا۔ غلام رسول نے کہا۔

"تیرے نانا کو یہ اعتراض ہے نا کہ میں پھکّڑ ہوں"

الہ رکھی نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

غلام رسول نے کہا۔ "میں تیرے نانا کو جھٹلانا چاہتا ہوں۔"

الہ رکھی نے چونک کر پوچھا۔ "کیا مطلب!"

غلام رسول نے کہا۔ "میری مالیت سولہ ہزار ہے"

الہ رکھی نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔ "کیسی مالیت؟ غلام رسول۔"

غلام رسول نے سینہ تان کر کہا۔ "اپنے نانا سے کہہ دیجیو الہ رکھی کہ میں سولہ ہزار کی آسامی ہوں۔"

الہ رکھی نے تجسّس سے پوچھا۔ "تیری جیب میں کیا سولہ ہزار کی چرس پڑی ہوئی ہے۔"

غلام رسول نے کہا۔ "نہیں!"

الہ رکھی نے پوچھا۔ "پھر تو سولہ ہزار کی آسامی کیسے ہو گیا ہے۔"

"ہم مر کے رُسوا نہیں ہوں گے۔ اور نہ ہی غرق دریا ہوں گے۔" غلام رسول نے کہا۔ "ہم کسی بس کے حادثے میں مر جائیں گے۔ رسوا نہیں ہوں گے۔ پسماندگان کو سولہ ہزار کا حقدار کر جائیں گے۔"

برصغیر پاک و ہند کی جدوجہد آزادی میں مزدوروں اور کسانوں کا حصہ

آخری قسط

ڈاکٹر احمد حسین کمال

ڈیفنس آف انڈیا رولز کا وار سب سے پہلے مزدوری کے اخبارات پر کیا گیا

صرف دو راستے فاقہ کشی کی موت یا مسلح جدوجہد

لارڈ کرزن پُرامن طریقے سے کانگریس کو ختم کرنا چاہتا تھا

مضمون کی گذشتہ قسط سے ستمبر ۱۹۳۹ء تک جبکہ دوسری عالمی جنگ کا آغاز ہوا مزدور اور کسان تحریکوں کی ابتدا اور ان کے ارتقا کا مجملاً حال سامنے آجاتا ہے ظاہر ہے کہ ان تحریکوں کا بالواسطہ اور بلاواسطہ ملک میں تبدیل ہونے والی سیاسی صورتحال سے بھی گہرا تعلق رہا ہے اس لیے ذیل میں اس کا بھی مختصراً جائزہ لینا مناسب ہوگا تاکہ اس تعلق سے بھی برصغیر میں کسان مزدور تحریکوں کی سرگرمیوں کا اندازہ ہو سکے۔

سلطان ٹیپو کی شہادت اور میسور کے سقوط کے بعد ہندوستان پر عملاً کم و بیش انگریزوں کا اقتدار غالب آگیا تھا (۱۸۰۰ء) اس اقتدار کے خلاف چیلنج کے طور پر صرف دو تحریکیں سامنے آئیں۔ ایک مولانا شریف اللہ کی بنگال میں "فرائضی تحریک" جو اگرچہ مذہبی تحریک تھی لیکن اس کا دائرہ کار بنگال کے مسلمان کسانوں اور دستکاروں پر حاوی تھا۔ اور اس حوالے سے اس میں ہندو کسان اور دستکار بھی شامل ہوتے رہے تھے۔

دوسری تحریک مولانا اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کی تھی جو بنیادی طور پر پرے وسط ہند کی اصلاحی اسلامی تحریک تھی لیکن شاہ ولی اللہؒ کے پروگرام کی وجہ سے یہ اسلامی انقلابی تحریک میں بدل گئی اس میں بھی بہت زیادہ تعداد مسلمان عوام اور علماء دین کی شامل تھی اور اس کے ہمدردوں میں اچھی خاصی تعداد ہندوؤں کی بھی تھی۔ ۱۸۳۰ء تک یہ دونوں تحریکیں اپنے ابتدائی پروگرام میں ناکام ہوگئیں۔ تاہم ان تحریکوں کی وجہ سے انگلستان کے سیاسی حلقوں میں ہندوستان پر انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے متعلق چہ میگوئیاں اور بحثیں ہونے لگی تھیں۔

ایسی ہی ایک بحث کا جواب دیتے ہوئے انگلستان کے ہاؤس آف کامنز (دارالعوام) میں "میکالے" نے ۱۰ جولائی ۱۸۳۳ء کو تقریر کرتے ہوئے کہا کہ "میرے خیال میں ہندوستان میں جمہوریت کا قیام کبھی بھی ممکن نہیں ہوگا۔"

"میکالے نے اس سلسلے میں" جان اسٹارٹ مل جیسے جمہوریت اور آزادی پسند دانشور کے حوالے سے کہا کہ جب ان سے ہندوستان جیسے ملک کے لیے نمائندہ حکومت کے بارے میں پوچھا گیا تو "مل" نے جواب دیا کہ یہ "قطعاً خارج از بحث ہے۔"

برائٹ جیسے ہندوستانی عوام کا ہمدرد اور بہی خواہ سمجھا جاتا ہے اس کے بارے میں "گلیڈ اسٹون" نے "گراہم" کے نام ۳ اپریل ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں بتایا کہ جب میں نے "برائٹ" سے تمام ہندوستان کے بارے میں گفتگو کی تو برائٹ نے ہندوستان میں عوام کے ذریعہ عوام کی حکومت کے اصول اور پارلیمانی نظام کے نفاذ کی مشکلات کا اعتراف کیا ہے"

۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی ختم کردی گئی اور پورے ہندوستان پر انگلستان کی براہ راست حکومت قائم ہو گئی۔ ہندوستان مستقلاً برطانیہ کی نوآبادی قرار دے دیا گیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ناکام ہوگئی اور تاج برطانیہ کا نمائندہ "وائسرائے" کے منصب کے ساتھ ہندوستان کا مطلق العنان حکمران بنا دیا گیا۔ لارڈ کیننگ کو ہندوستان کا پہلا "وائسرائے" اور گورنر جنرل بنا دیا گیا۔ لندن میں ایک "انڈیا کونسل" بنائی گئی وزیر ہند کا عہدہ مقرر کیا گیا۔ اور اس کی مدد کے لیے چند مشیروں کا تقرر عمل میں آیا۔ تمام اختیارات حکومت برائے ہندوستان کی ذمہ داری وزیر ہند کے سپرد کردی گئی وائسرائے اس کی ہدایت کے مطابق ہندوستان میں تاج برطانیہ کے نمائندہ کی حیثیت سے حکومت کا نظام چلاتا تھا۔ برطانوی پارلیمان ان سب کا تقرر کرتی تھی۔

۱۸۶۱ء میں انڈین کونسل ایکٹ نافذ کیا گیا جس کی رو سے وائسرائے کی مجلسِ عاملہ کی تعداد "۵" مقرر کی گئی اس سے قبل یہ تعداد "۴" تھی وزیر ہند اس ایگزیکٹو کونسل میں ہندوستان میں افواجِ برطانیہ کے کمانڈر انچیف کو بھی رکن نامزد کر سکتا تھا۔ وائسرائے کو اختیار دیا گیا کہ ایک "لیجسلیٹو کونسل" (مجلس قانون سازی) بنائے جس میں وہ ایگزیکٹو کونسل کے ارکان کے ساتھ ۶ سے ۱۲ تک ارکان کا اضافہ کر سکتا ہے ان ارکان میں نصف سرکاری اور نصف غیر سرکاری ہوں وائسرائے کو صوبوں میں "مجالسِ قانون ساز" مقرر کرنے کا اختیار دیا گیا۔ ان کی تعداد ہر صوبے میں ۴ سے ۸ تک مقرر کی گئی اور ان میں بھی نصف سرکاری اور نصف غیر سرکاری کی شرط رکھدی گئی۔ البتہ صوبوں کی مجالس قانون ساز میں ہندوستانی ارکان بھی مقرر کیے جا سکتے تھے جنہیں صرف رائے دینے کا حق تھا۔

۱۸۷۵ء میں سریندر ناتھ بنرجی نے انڈین ایسوسی ایشن کے نام سے ایک جماعت بنائی جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

۱۸۸۳ء-۱۸۸۴ء میں لوکل سیلف گورنمنٹ ایکٹ کے ذریعے میونسپل کمیٹیاں "ڈسٹرکٹ کونسلیں" اور رورل بورڈ قائم کرنے کی اجازت دی گئی۔

۱۸۷۷ء میں ہندوستان میں ہمہ گیر قحط رونما ہوا۔

۱۸۵۸ء کے بعد سے ضروری اشیاء اور اجناس کی قیمتوں میں گرانی ہونے لگی۔ جو برابر بڑھتی رہی۔

۱۸۷۵ء میں جنوبی ہند میں کسان مسلح بغاوت کر چکے تھے ۱۸۷۷ء میں پھر کسانوں میں ہر جگہ بے چینی پھیلنا شروع ہوگئی تھی۔

۱۸۷۰ء میں حکومتِ برطانیہ نے ہندوستان کے دیسی زبان میں چھپنے والے اخبارات پر سے آزادئ تحریر کا حق چھین لیا گیا۔

۱۸۷۹ء میں آرمز ایکٹ نافذ کیا گیا جس کے نتیجہ میں دیہات کے رہنے والوں سے وہ اسلحہ بھی لے لیا گیا جسے وہ درندوں سے بچاؤ کے لیے استعمال کرتے تھے۔

مسٹر ولیم ویڈربرن نے "ہیوم" کی سوانح میں ہیوم کی زبانی بتایا ہے کہ میں نے لارڈ لٹن کے عہد کے آخری مہینوں میں ہندوستان کے مختلف اطراف سے موصول شدہ خفیہ رپورٹوں کی سات ضخیم جلدیں دیکھیں جن میں تیس ہزار رپورٹوں کی فراہم کردہ اطلاعات جمع تھیں۔ ان اطلاعات میں بتایا گیا تھا کہ ملک کے ادنیٰ طبقوں اور عوام کے اندر زبردست بے چینی کے آثار نمایاں ہو رہے ہیں۔ خفیہ طور سے اسلحہ جمع کیا جا رہا ہے محرومی کا احساس اس حد تک بڑھ رہا ہے کہ لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ یا تو فاقہ کشی کی موت مرنا ہوگا یا پھر مسلح لوٹ مار شروع کر دینا چاہیئے۔"

"ہیوم نے یہ رپورٹیں ۱۸۷۷ء-۱۸۷۸ء میں مطالعہ کی تھیں جنوب میں کسانوں کے مسلسل احتجاجی مظاہروں سے اس کی شہادت فراہم ہو رہی تھی۔

ان حالات کے پس منظر میں آل انڈیا نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آیا۔

۱۸۸۵ء میں "کانگریس" کی بنیاد رکھی گئی۔ کانگریس کے پہلے صدر "ڈبلیو، سی بنرجی" منتخب ہوئے۔

ابتداء میں تو کانگریس کے قیام کی در پردہ تائید "ہیوم" اور اس وقت کے وائسرائے "لارڈ ڈفرن" نے بھی کی تھی۔ لیکن کانگریس نے اپنے ابتدائی دور کے اجلاسوں میں مطالبات وسیع کرنا شروع کر دیئے تو خود "لارڈ ڈفرن" نے اس سے بے زاری کا اظہار شروع کر دیا۔

مسز بسنٹ نے اپنی کتاب میں ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ ایک ضلع کے نمائندے جب کانگریس کے سالانہ اجلاس میں شرکت کر کے اپنے مقامات پر واپس پہنچے تو ضلعی حکام نے ان سے بیس بیس ہزار روپے کی ضمانت طلب کر لی۔

۱۸۹۰ء میں حکومت نے ایک سرکلر کے ذریعے تمام سرکاری ملازمین کو منع کر دیا کہ وہ کانگریس کے کسی اجلاس میں متبصر کے طور پر بھی شریک نہ ہوں۔ ۱۹۰۰ء میں تو یہ حالت ہو گئی کہ اس وقت کے وائسرائے "لارڈ کرزن" نے وزیرِ ہند کو ایک مراسلہ کے ذریعے مطلع کیا کہ

"کانگریس کا جلد خاتمہ ہو جائے گا۔ میرا اب سب سے بڑا کام یہ ہے کہ کانگریس کے پرامن خاتمہ میں جتنی امداد ممکن ہو بہم پہنچاؤں۔" (لائف آف لارڈ کرزن جلد دوم از رونالڈ)

"گھوکھلے" نے اس زمانہ میں حکومت کی اس روش پر کہا تھا کہ "بیوروکریسی خود غرضانہ روش پر چل پڑی ہے اور وہ نہیں چاہتی کہ ہندوستانیوں میں قومی احساس پیدا ہو"

کانگریس کی قیادت جلد ہی عافیت پسند رہنماؤں کے ہاتھوں سے نکل کر انقلاب پسند (ترقی پسندی کے معنیٰ میں نہیں۔ انگریزی حکومت کی مخالفت کے معنی میں) رہنماؤں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ گھوکھلے کے مقابلے میں تلک کانگریس کے صف اول کے قائد بن گئے تلک کے ساتھ بنگال کے "اربندو گھوش" اور بپن چندر پال" اور پنجاب کے "لاجپت رائے" تھے۔

۱۸۹۷ء میں حکومت نے تلک کو گرفتار کر کے ڈیڑھ سال کی سزا دی۔

جنگِ عظیم اوّل میں قائدِ اعظم اور گاندھی نے برطانیہ کو اپنی حمایت کا یقین دلایا

بیوروکریسی نے عوام میں قومی احساس پیدا نہیں ہونے دیا

کانگریس اس وقت ۳ گروپوں میں تقسیم تھی۔ (۱) خالص قومیت پسند جن کے قائد "گوکھلے" جیسے لوگ تھے۔ (۲) مذہبی قوم پسند جن کی قیادت "تلک" جیسے لوگ کر رہے تھے۔ انتہا پسند قوم پرست جن کے رہنما "بپن چندر پال" اور "کرو بندو گھوش" جیسے حضرات تھے۔

لیکن یہ تقسیم "یورپ کی طرح "ریڈیکل" اور کنزرویٹو کے طور پر نہیں تھی، کہ برصغیر کی سیاست آخر میں خالص فرقہ وارانہ سیاست میں تبدیل ہوتی چلی گئی۔ ترقی پسند تحریکیں اور تنظیمیں بھی اس صورتحال کو نہیں بدل سکیں۔ انگریزی حکومت کا بھی آخر تک یہی منشا رہا۔

۱۸۹۲ء میں حکومت برطانیہ نے "انڈین نیشنل کانگریس کے مطالبات حقوق کے پیش نظر "انڈین کونسل ایکٹ" میں مندرجہ ذیل اصلاحات کیں۔

(۱) گورنر جنرل کونسل کے ارکان کی تعداد ۱۲ سے ۱۶ تک کا اضافہ کرنے کا اختیار دیا (۲) ڈسٹرکٹ بورڈوں میونسپل کمیٹیوں اور ایوان ہائے تجارت اور یونیورسٹیوں کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنے نمائندے صوبائی "لیجسلیچر وں" کے لئے نامزد کر کے بھیجیں تاکہ ان کونسلوں کے ارکان کی تعداد میں اضافہ ہو (۳) لیجسلیچر" کے ارکان کو بجٹ پر بحث کرنے اور دوسرے امور سے متعلق حکومت سے سوال کرنے کا حق دیا گیا۔

کانگریس کی سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنگال تھا۔ لارڈ کرزن نے کانگریس کو کمزور کرنے کے لئے یہ منصوبہ تیار کیا کہ بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن کے جانشین نے تقسیم بنگال کا اعلان کر دیا۔

اس تقسیم کے خلاف سارے بنگال میں ہیجان ٹوٹ پڑا۔ کانگریس کے انتہا پسند گروپ نے تقسیم کی شدید مخالفت کی۔

۷ اگست ۱۹۰۵ء کو "بائیکاٹ" کے پروگرام کا اعلان کر دیا گیا۔

کانگریس نے اس سال آزادی کی مشروط حمایت کی۔ لیکن ۱۹۰۶ء میں کانگریس کے کلکتہ اجلاس میں دادا بھائی نوروجی جیسے اعتدال پسند کانگریسی رہنما نے ایک ۴ نکاتی پروگرام کا اعلان کر دیا۔

برطانیہ عظمیٰ کے اندر ہندوستان کی خود مختار حکومت
۲۔ قومی تعلیمی نظام کے قیام کا مطالبہ
۳۔ دیسی صنعتوں کا تحفظ اور سودیشی کی حمایت
۴۔ بنگال میں بائیکاٹ کی تحریک کی غیر مشروط حمایت

۱۹۰۶ء میں سیاسی حالات کے اسی پس منظر میں "مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔

کانگریس کے منظور کردہ یہ چار نکات کانگریس کا مستقل پروگرام بن گئے۔ جنہیں "سوراج" "بائیکاٹ" "سودیشی" اور قومی تعلیم کے مستقل عنوانات دیدیئے گئے۔

۱۹۰۷ء میں حکومت نے باغیانہ اجتماع کا قانون نافذ کیا اور سخت ترین کاروائیاں شروع کر دیں۔

۱۹۰۷ء میں سورت کے کانگریس کے اجلاس میں "گوکھلے" کے اعتدال پسند گروپ اور تلک کے انتہا پسند گروپ کے درمیان اتنا شدید اختلاف رونما ہوا کہ دونوں گروپ علیحدہ ہو گئے اور ۱۹۱۶ء تک علیحدہ علیحدہ رہے۔ ۱۹۰۸ء میں "تلک کو گرفتار کر کے ۶ سال کی سزا دیدی گئی جس پر بمبئی کے مزدوروں نے زبردست ہڑتال کر دی۔ یہ ہڑتال اتنی ہمہ گیر اور سیاسی نوعیت کی تھی کہ پوری دنیا میں اس کا چرچا ہوا۔ اور اس وقت "لینن" نے اس ہڑتال کی حمایت میں مغربی پریس کو ایک بیان جاری کیا

۱۹۰۶ء سے ۱۹۰۹ء تک بنگال میں ساڑھے پانچ سو سیاسی مقدمات قائم کیئے گئے۔

۱۹۰۶ء میں پنجاب کے کسانوں نے زبردست مظاہرے کیے جنہیں نہایت سختی کے ساتھ کچلا گیا۔

۱۹۰۹ء میں حکومت برطانیہ نے منٹو مارلے اصلاحات کے نام سے "انڈین کونسلز ایکٹ میں مزید اضافے کیے ان اصلاحات کی رو سے۔

۱۔ وزیر ہند کی کونسل میں دو ہندوستانی ارکان کا تقرر کیا گیا۔

۲۔ گورنر جنرل اور دوسرے گورنروں کی ایگزیکیٹو کونسل" میں ایک ایک ہندوستانی ممبر کے تقرر کی اجازت دی گئی۔

۳۔ مرکزی قانون ساز کونسل میں سرکاری نمائندوں کو اکثریت اور صوبائی قانون ساز کونسلوں میں غیر سرکاری نمائندوں کو اکثریت دے دی گئی۔

۴ مرکزی قانون ساز کونسل میں ارکان کی تعداد ساٹھ کر دی گئی۔ بڑے صوبوں کی کونسل میں پچاس اور چھوٹے صوبوں میں تیس تک نمائندوں کی تعداد کر دی گئی۔

۵۔ قانون ساز کونسلوں کو سالانہ بجٹ پر بحث کرنے، ووٹ دینے اور رعایا کی بہبود سے متعلق تجاویز پیش کرنے کا حق دیا گیا۔

۶۔ مرکزی کونسل میں غیر سرکاری نمائندوں کو جن کی تعداد اقلیت میں تھی۔ بالواسطہ انتخاب کے ذریعے نمائندگی کا حق دیا گیا۔

۷۔ صوبائی کونسلوں میں غیر سرکاری نمائندوں کو جن کی تعداد اکثریت میں تھی۔ بالواسطہ انتخاب کے ذریعہ نمائندگی کا حق دیا گیا۔

۸۔ مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا طریقہ رائج کیا گیا۔

کانگریس کا انتہا پسند گروپ سارے کا سارا جیل میں تھا چنانچہ کانگریس کے اعتدال پسند گروپ نے ان اصلاحات کا خیر مقدم کیا۔ اور ۱۹۱۰ء میں نئے وائسرے کی آمد پر "وفادارانہ ایڈریس" پیش کیا۔

۱۹۱۰ء میں حکومت نے پریس ایکٹ کو سخت بنا دیا۔

۱۹۱۱ء میں حکومت نے بنگال کی تقسیم منسوخ کر دی مسلم لیگ اور مرزا غلام احمد کی جماعت کے لیئے یہ ایک سانحہ تھا اس لیئے کہ دونوں نے بنگال کی تقسیم کی زبردست حمایت و تائید کی تھی کانگریس کے اعتدال پسندوں نے بنگال کی تقسیم منسوخ کرنے کے اقدام کی تحسین کی۔ لیکن کانگریس کے انتہا پسند گروپ نے اس اقدام کو کوئی اہمیت نہیں دی اور اپنی پالیسی میں کسی تبدیلی کا اعلان نہیں کیا۔

امریکہ کے شہر نیو یارک میں تھیاسوفی کے نام سے ۱۸۷۵ء میں ایک تنظیم قائم ہوئی تھی جس کی تعلیم تھی کہ مذہبی اختلافات بے معنی ہیں۔ تمام مذاہب اصل میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اس جماعت نے بعد میں اپنا صدر دفتر نیو یارک سے مدراس کے قریب "اڈیار" کے مقام پر منتقل کر لیا۔ مسز اینی بسنٹ ایک انگریز خاتون "مادام دلاسکی" کی تعلیم سے متاثر ہو کر "تھیاسوفسٹ" بن گئیں اور ہندوستان آ گئیں۔ ۱۹۰۷ء میں وہ تھیاسوفیکل سوسائٹی" کی صدر منتخب ہوئیں۔ ۱۹۱۰ء میں انہوں نے ہندوستان کے لیئے "ہوم رول" کا نظریہ پیش کیا۔ تلک نے رہا ہونے کے بعد ۱۹۱۶ء میں انڈیا لیگ کے ذریعہ "ہوم رول تحریک" شروع کر دی۔ مسز اینی بسنٹ نے اس میں نہایت سرگرم حصہ لیا۔ ۱۹۱۷ء میں برطانوی حکومت نے انہیں گرفتار کر لیا۔ ۱۹۱۸ء میں مسز اینی بسنٹ کو انڈین کانگریس کا صدر منتخب کر لیا گیا تھا۔ اس انگریز خاتون نے ہندوستان کی آزادی کے لیئے بڑا کام کیا۔ ۱۹۳۳ء میں ان کا انتقال ہوا۔

۱۹۱۴ء میں پہلی عالمی جنگ شروع ہو گئی۔

۱۶ نومبر ۱۹۱۴ء کو حکومت نے الہلال اخبار سے جو مولانا ابوالکلام آزاد کی ادارت میں نکلتا تھا. دو ہزار روپیہ کی پہلی ضمانت طلب کر لی. ایک ماہ بعد دوبارہ دس ہزار کی ضمانت طلب کی جو جمع نہیں کرائی جا سکی. اور اخبار بند ہو گیا مولانا آزاد نے "البلاغ" کے نام سے ایک رسالہ جاری کر دیا. لیکن حکومت نے مولانا کو گرفتار کر کے رانچی میں نظر بند کر دیا. جنگ کے مکمل خاتمہ کے بعد آپ کو رہا کیا گیا۔

جنگ کے دوران کانگریس کے اعتدال پسند رہنماؤں نے برطانیہ کی حمایت کی. جنگ کا اعلان ہوتے ہی لندن میں موجود کانگریسی رہنما مسٹر سنہا لاجپت رائے مسٹر جناح اور گاندھی جی وغیرہ نے وزیر ہند کو مراسلوں کے ذریعے اپنی حمایت کا یقین دلایا۔

۱۹۱۴ء میں مولانا عبیداللہ سندھی ہندوستان سے باہر کابل چلے گئے۔

۱۹۱۵ء میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن بھی مکہ معظمہ چلے گئے. جہاں مکہ کے حاکم شریف نے انہیں گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا. انگریزوں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا عزیر گل وغیرہ سمیت کالے پانی بھیجدیا جہاں سے آپ اور آپ کے ساتھی ۱۹۲۰ء میں رہا کیے گئے۔

۱۹۱۶ء میں کانگریس (اعتدال پسند گروپ) اور مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوئے اور دونوں جماعتوں کے درمیان اشتراک عمل کا پروگرام طے پایا. شاید اسی وجہ سے کہ دونوں ہی جنگ کی وجہ سے برطانوی حکومت کی تائید میں متفق تھے کانگریس کا انقلاب پسند گروپ علیحدہ اور جیل میں تھا. کانگریس اور لیگ نے ۱۹۱۶ء میں برطانوی حکومت کے سامنے درج ذیل تجاویز پیش کیں۔

۱. کونسلوں میں منتخب ممبروں کی اکثریت ہو۔

۲. وائسرے کی ایگزیکیٹو کونسل میں نصف تعداد ہندوستانیوں کی ہو۔

۳. برطانوی شہنشاہیت میں ہندوستان کو مساوی درجہ دیکر خود مختاری عطا کی جائے۔

اکتوبر ۱۹۱۷ء کو روس میں مزدور انقلاب برپا ہو گیا

۱۹۱۷ء کے آخر میں عالمی جنگ ختم ہو گئی جرمنی اور ترکی شکست کھا گئے۔

روس کے اکتوبر انقلاب کے واقعے نے برطانیہ اور اسکے اتحادیوں کی جرمنی اور ترکی پر فتح کو غیر اہم بنا دیا. روس کے اکتوبر انقلاب کے دور رس اثرات برطانیہ نے محسوس کرتے ہوئے ہندوستان کے بارے میں مانٹیگو اعلان جاری کر دیا. جس میں کہا گیا تھا کہ۔
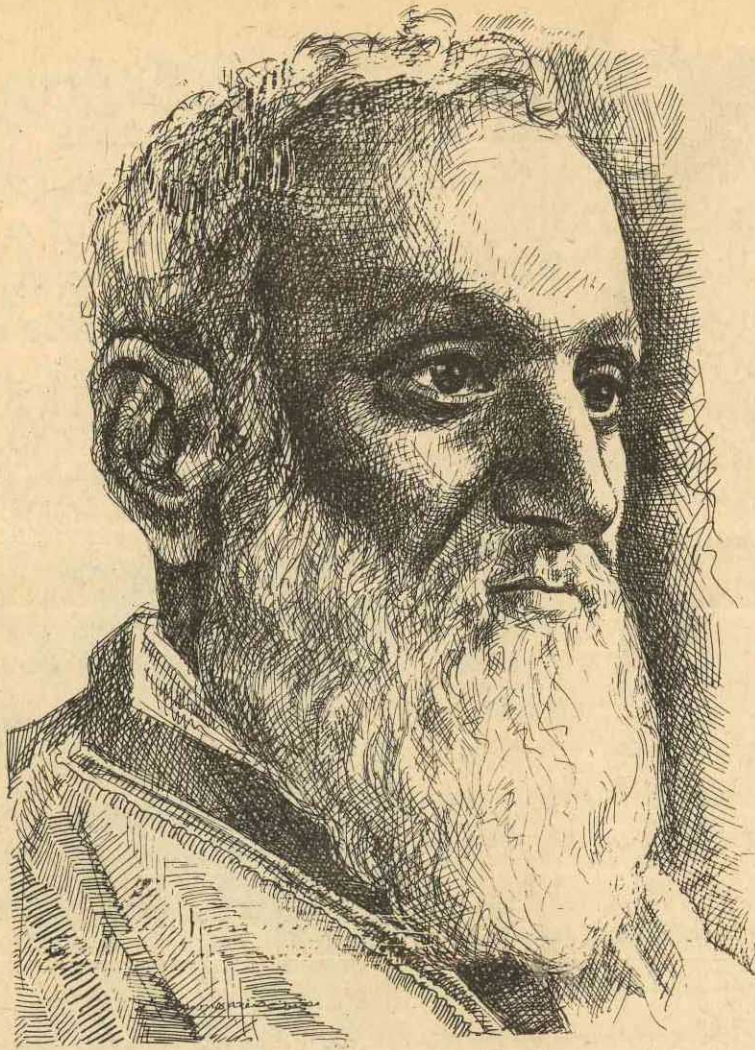
"برطانوی حکومت کی خواہش ہے کہ ہندوستان کو برطانیہ عظمیٰ کے اندر بتدریج ذمہ دار حکومت سونپ دی جائے اور ایسے ادارے قائم کر دیئے جائیں۔

۱۹۱۹ء میں ترکی کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کے خلاف احتجاج کے طور پر مسلمانوں نے تحریک خلافت شروع کی

۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں ہندو مسلمانوں کے ایک مشترکہ جلسے پر رولٹ ایکٹ کے تحت ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کی گرفتاری کے خلاف بطور احتجاج منعقد کیا گیا تھا جنرل ڈائر کے حکم پر فوج نے لگاتار گولیاں برسائیں باغ کے چاروں طرف مکانات تھے نکلنے کا ایک ہی دروازہ تھا. اس پر فوج نے قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ سینکڑوں لوگ ان گولیوں سے ہلاک ہوئے اور ہزاروں زخمی، ایسی بے رحمانہ اور جلادانہ کارروائی نے پورے ہندوستان میں آگ لگا دی اور پورا ملک متحد ہو کر آزادی کے کاز کے لیے کھڑا ہو گیا

۱۹۱۹ء میں کانگریس، مسلم لیگ، تحریک خلافت اور جمعیت علماء نے متحدہ طور پر "عدم تعاون" کے پروگرام کا اعلان کر دیا۔

۱۹۱۹ء میں مانٹیگو اعلان کے تعلق سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ نافذ کیا گیا. گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۱۹ء دراصل DYARCHY نظریہ پر مبنی تھا جسے "دوعملی" کا قانون کہا جا سکتا ہے. اس کی رو سے،

۱. مرکز میں دو چیمبرز بنائے گئے ایک چیمبر کا نام "کونسل آف اسٹیٹ" رکھا گیا. اس چیمبر کے ارکان کی نصف تعداد نامزد اور نصف تعداد بالواسطہ انتخاب کے ذریعہ جنہیں منتخب کرنے والوں کی تعداد پورے ملک میں صرف ۱۸۰۰۰ تھی مقرر کی گئی دوسرے چیمبر کا نام "لیجسلیٹو اسمبلی" رکھا گیا. اس میں ارکان کی معمولی اکثریت بالواسطہ انتخاب کے ذریعہ اور باقی نامزد ہو کر آتے تھے. انتخاب کرنے والے (ووٹرز) کی تعداد آبادی کے نصف فی صد سے بھی کم تھی۔

جلیانوالہ باغ فائرنگ نے پورے ملک کو آزادی کے لئے متحد کر دیا

۲۔ صوبائی لیجسلیٹو اسمبلیوں میں بالواسطہ منتخب ارکان کی اکثریت کر دی گئی ان کو منتخب کرنے والے ووٹرز کی تعداد صرف دو فیصد آبادی تھی۔

۳۔ صوبائی حکومتوں میں تعلیم، صحت وغیرہ کے محکموں پر جو وزرا متعین کیے گئے تھے انہیں لیجسلیٹو اسمبلی کے سامنے جوابدہ بنایا گیا لیکن مالیات وغیرہ جیسے اہم شعبوں کے وزرا صرف گورنروں کے سامنے جواب دہ تھے۔

۴۔ گورنروں کو "ویٹو" کا مکمل اختیار دیا گیا۔

۵۔ گورنر جنرل ہر طرح کا اختیار استعمال کرنے کا مجاز ٹھہرایا گیا۔

اس نظام کا ساری دنیا میں مذاق اڑایا گیا۔ اور شدید نکتہ چینی کی گئی۔ ہندوستان بھر میں بھی اس کی سخت مخالفت کی گئی۔

۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۰ء تک ملک میں سیاسی کشمکش کے کئی اتار چڑھاؤ ہوتے رہے۔ کانگریس اور آزادی خواہ جماعتوں نے ملک، عدم تعاون، نمک ستیہ گرہ اور سول نافرمانی کی تحریکیں یکے بعد دیگرے چلائیں۔

ہندوستان بھر میں جگہ جگہ ہندو مسلم فساد برپا ہوا۔

مالابار میں موپلوں نے بغاوت کر دی۔

ہندو مسلم اتحاد میں رخنہ پڑ گیا۔

ہندوؤں میں "شدھی" اور مسلمانوں میں جواباً "تبلیغ" کی تحریکیں جاری ہوئیں۔

مسٹر جناح نے اپنے ۱۴ نکات پیش کیے۔ مسلم لیگ دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئی۔

لارڈ ارون اور گاندھی جی کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے تمام سیاسی قیدی رہا کر دئے گئے۔ اور لندن میں گول میز کانفرنس بلا کر ہندوستان کے مسئلہ کے حل کا وعدہ کیا گیا جواباً کانگریس نے سول نافرمانی کی تحریک واپس لے لی۔

۱۹۳۱ء میں پہلی گول میز کانفرنس بلائی گئی۔ جو کسی فیصلہ کے بغیر ختم ہو گئی۔

۱۹۳۲ء میں دوسری گول میز کانفرنس ہوئی جو نہایت محدود پیمانہ پر تھی۔

۱۹۳۳ء میں تیسری گول میز کانفرنس بلائی گئی۔ یہ کانفرنس فرقہ وارانہ سوال پر کسی تصفیہ کے بغیر ختم ہو گئی "تاہم وزیر اعظم برطانیہ نے اس مسئلہ کے حل کی ذمہ داری لی۔ تیسری گول میز کانفرنس کے نتیجہ میں ۱۹۳۵ء کا ایکٹ حکومت نے تیار کیا۔ اس کا نام "گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ" رکھا گیا۔ یہ ایکٹ دو حصوں پر مشتمل تھا۔ پہلا حصہ فیڈریشن کا تھا جس کی رو سے فیڈرل لیجسلیچر کے دو چیمبرز بنائے گئے۔ ایک کا نام "اپر چیمبر" یا کونسل آف اسٹیٹ اور دوسرے کا نام "فیڈرل اسمبلی" رکھا گیا۔ کونسل آف اسٹیٹ میں ممبران کی تعداد ۲۶۰ رکھی گئی۔ ان میں سے ۱۰۴ کی نامزدگی کا والیان ریاست کو اختیار دے دیا گیا۔

"فیڈریشن" کی تشکیل اس طرح کی گئی تھی اور اس کے اختیار کا عالم یہ تھا کہ کونسل آف منسٹرز گورنر جنرل کی پسند کے مطابق اور صرف اس کے سامنے جواب دہ تھی۔ دفاع، امور خارجہ، اور مذہبی، غیر شامل علاقہ جات کے محکمے براہ راست گورنر جنرل کے اختیار میں دیئے گئے ممبر مالیات، ایڈووکیٹ جنرل برائے فیڈرل بینک، ریلویز، انڈین سول سروس اور پولیس کے شعبہ جات کی تقرریاں، براہ راست وزیر ہند کے ہاتھوں میں رکھی گئیں۔

والیان ریاست کو اپنے نمائندے نامزد کرنے کا اختیار تو دیا گیا لیکن ان کے معاملات، اقلیتوں کے معاملات، ہندوستان میں پھیلے ہوئے برطانیہ کے اقتصادی معاملات میں کسی طرح کی قانون سازی یا مداخلت کا اختیار کونسل آف اسٹیٹ یا فیڈرل اسمبلی یا کونسل آف منسٹرز کو نہیں دیا گیا۔ ہندوستان میں برطانوی حکمرانی کی جو قانونی دفعات تھیں ان میں بھی تبدیلی کا اختیار نہیں دیا گیا صرف "پوسٹ آفس" کا محکمہ ایسا تھا جسے ہندوستانی پورے اختیار کے ساتھ چلا سکتا تھا۔ بجٹ کے سلسلہ میں یہ صورت رکھی گئی کہ اس کا ۳/۴ حصہ تو براہ راست گورنر جنرل کے اختیار میں دیا گیا جس میں دفاع، افسران کے مشاہرے پنشنیں قرضہ جات کے منافع وغیرہ شامل تھے۔ اور بقیہ ۱/۴ حصہ بجٹ پر اسمبلی صرف اپنے رائے کا اظہار کر سکتی تھی۔ کوئی فیصلہ نہیں دے سکتی تھی۔

علاوہ ازیں فیڈرل اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ میں اتنی زیادہ تحدیدات کے باوجود جو ادنیٰ حیثیت کی قانون سازی کی جا سکتی تھی وہ بھی گورنر جنرل کی منظوری سے مشروط تھی۔ اس کے ساتھ ہی گورنر جنرل کو یہ بھی اختیار دیا گیا تھا کہ وہ جب چاہے آئین کو معطل کر دے۔

فیڈریشن کی یہ مضحکہ خیز بے معنیٰ اور بے اختیار شکل ایسی تھی جسے کسی حیثیت سے بھی قبول نہیں کیا جا سکتا تھا چنانچہ ملک کی تمام جماعتوں نے انڈیا ایکٹ کے فیڈریشن والے حصہ کو قطعاً مسترد کر دیا۔

"ایکٹ کا دوسرا حصہ صوبوں سے متعلق تھا اس میں بھی اگرچہ گورنروں کو کلی اختیارات دیئے گئے تھے۔ لیکن صوبوں کی اسمبلیوں میں والیانِ ریاست کے نمائندوں کی کوئی نامزدگی نہیں تھی۔ اس لیے اس میں منتخب نمائندوں کے سامنے سوائے گورنر کے اختیارات کے کوئی رکاوٹ نہیں رہتی تھی اور گورنر کے اختیارات کو اسمبلی آزادانہ تنقید کا نشانہ بنا سکتی تھی صوبائی وزرار کا دائرہ کار بھی فیڈریشن کے وزرا سے وسیع تھا چنانچہ ایکٹ کا دوسرا حصہ مشروط طور پر قبول کر لیا گیا۔

صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں عام ووٹرز کی تعداد فیڈرل اسمبلی کی نسبت زیادہ تھی۔ یعنی آبادی کا ۱۱ فیصد اس لیے اس کی نمائندہ حیثیت بڑھ جاتی تھی۔

۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ" کی رو سے ووٹر کی اہلیت کے لئے ضروری تھا کہ وہ کسی جائداد کا مالک ہو یا ٹیکس ادا کرتا ہو۔ یا لگان ادا کرتا ہو اور اس کے ساتھ ہی کسی قدر لکھا پڑھا جانتا ہو۔ اس معیار پر صوبوں میں صرف ۱۱ فیصد لوگ اترتے تھے۔

اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ برطانوی حکومت کے دوران ملک کے معاشی حالات اتنے بدتر ہو گئے تھے کہ سو آدمیوں میں سے صرف ۱۱ آدمی اقتصادی استحکام رکھتے تھے اور بقیہ ۸۹ آدمی دوسروں کے دست نگر اور محتاج تھے۔

۱۱ صوبوں کی اسمبلیوں میں ممبران کی کل تعداد ۱۵۸۵ تھی جن کی تقسیم اس طور سے کی گئی تھی۔

(۱) عام ارکان ۶۵۷ (۲) مسلمان ۴۸۲ (۳) اچھوت ۱۵' (۴) کامرس اور انڈسٹری ۵۶ (۵) خواتین ۴۱ (۶) مزدور ۳۸' (۷) مالکان زمین ۳۷ (۸) سکھ ۳۴ (۹) یورپین ۲۶' (۱۰) قبائل اور پسماندہ علاقے ۲۴' (۱۱) ہندوستانی عیسائی ۲۰' (۱۲) انگلو انڈین ۱۱' (۱۳) یونیورسٹی ۸

صوبوں کے الیکشن میں صوبوں کی ۱۵۸۵ سیٹوں میں سے ۷۱۵ سیٹیں تنہا کانگریس نے جیتیں۔

اس الیکشن میں مسلم لیگ اور جمعیت علماء ہند نے مل کر "مسلم یونٹی بورڈ" بنایا اور کانگریس اس مفاہمت کے ساتھ کہ جن سیٹوں سے مسلم یونٹی بورڈ کے امیدوار الیکشن لڑیں وہاں کانگریس کا امیدوار مقابلہ نہ کرے الیکشن لڑا۔

پنجاب میں سر سکندر حیات کی "یونینسٹ پارٹی" نے اور بنگال میں فضل الحق کی "کرشک پارٹی" نے الیکشن میں اکثریت حاصل

کی سرحدی سرخپوش" کامیاب ہوئے۔ سندھ میں اللہ بخش کا آزاد گروپ جیتا۔

۱۹۳۸ء میں قیصر باغ لکھنؤ میں مسلم لیگ کا اہم اجلاس ہوا جس میں کانگریس کی پالیسیوں کے خلاف مسلم لیگ نے احتجاج کیا اور کانگریس کو ہندوؤں کی جماعت قرار دے کر اس بات پر اصرار کیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے۔

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو ہٹلر کی جرمن فوجوں نے پولینڈ پر حملہ کر دیا۔

۲۔ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ میں لازمی بھرتی کا قانون نافذ کر دیا گیا۔ جس کی رو سے ۱۸ سے ۴۱ سال کے اشخاص کے لیے فوجی ملازمت لازمی کر دی گئی۔

۳۔ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ نے جرمنی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اسی دوران برطانوی حکومت نے وائسرے ہند کو جنگ کی تیاری کے لیے مکمل اختیارات دے دیئے۔ وائسرے نے اسی دن فوراً "ڈیفنس آف انڈیا" آرڈیننس پورے ملک میں نافذ کر کے جنگ میں ہندوستان کی شمولیت کا اعلان کر دیا

۱۱۔ستمبر ۱۹۳۹ء کو وائسرے نے "گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ" کی بہت سی دفعات معطل کر دیں۔

۱۴۔ستمبر ۱۹۳۹ء کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کا ہنگامی اجلاس بلایا گیا اور وائسرے سے جنگ کے سلسلے میں مقصد اور ہندوستان کی آزادی سے متعلق پالیسی کی وضاحت طلب کی۔ وائسرے نے اپنے جواب میں گول مول باتیں کیں اور کانگریس نے جواب کو غیر تسلی بخش قرار دیا۔

۲۔اکتوبر ۱۹۳۹ء کو ہندوستان کے مزدوروں نے جنگ کے خلاف عام ہڑتال کی جس میں صرف بمبئی کے نوے ہزار مزدوروں نے حصہ لیا۔

اکتوبر ۱۹۳۹ء میں صوبوں کے کانگریسی وزراء نے احتجاجاً استعفے دیدیئے کہ برطانیہ اور وائسرے نے ہندوستانی عوام کی مرضی معلوم کیے بغیر ہندوستان کو بھی جنگ میں کھینچ لیا۔ اور ہندوستان کی آزادی کے مسئلہ کا کوئی واضح اور تسلی بخش جواب نہیں دیا۔

حکومت نے "ڈیفنس آف انڈیا رول" کے تحت سب سے پہلے مزدوروں کے اخبار "نیشنل فرنٹ" اور "کرانتی" کو بند کر دیا۔

مارچ ۱۹۴۰ء کو جنگ اور اس سے پیدا ہونے والی مہنگائی کے خلاف مزدوروں نے ملک گیر ہڑتال کی اور جگہ جگہ مظاہرے کیے۔

۱۹۴۰ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس رام گڑھ میں ہوا۔ اور کانگریس نے اعلان کیا کہ موجودہ جنگ برطانوی شہنشاہیت کے مفادات کے تحفظ کے لیے لڑی جا رہی ہے۔ محکوم ملکوں اور ہندوستان کے بارے میں برطانیہ کی پالیسی اب بھی سامراجی ہے۔ اس لیے ہندوستان اس کی حمایت نہیں کرے گا۔

جنگ کے آغاز سے فروری ۱۹۴۱ء تک ملک میں ۸ ہزار سے زیادہ افراد گرفتار کیے گئے۔ ان کے بارے میں وائسرے نے فروری ۱۹۴۱ء میں اسمبلی میں بیان دیا کہ یہ لوگ کمیونسٹ تھے یا کمیونسٹوں کے دوست اور ملک میں انقلاب لانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

۲۲۔جون ۱۹۴۱ء کو جرمنی نے فرانس سمیت یورپ کے بہت سے ملک فتح کرنے کے بعد روس پر بھی حملہ کر دیا اور دوسری طرف جاپان نے بھی جرمنی کے اتحادی کی حیثیت سے مشرق بعید کے ملکوں پر حملوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور برما، ملایا، فلپائن اور ہانگ کانگ وغیرہ بہت سے ممالک

برطانوی دور میں غربت کی انتہا

سو افراد میں سے صرف گیارہ اقتصادی استحکام رکھتے تھے

جاپان کے حملوں کا نشانہ بنے اور اس کے تسلط میں آ گئے۔ جرمنی کے روس پر حملے نے اور جاپان کی مشرق بعید اور ہندوستان کی طرف پیشقدمی نے کانگریس کے بعض رہنماؤں کو فسطائیت کے غالب آجانے کے خطرہ کا احساس دلایا۔

دسمبر ۱۹۴۱ء میں جواہر لال نے اعلان کیا کہ دنیا کی ترقی پسند قوتوں کے جنگ میں شامل ہو جانے سے نئی صورتحال پیدا ہو گئی ہے۔ اور اب جنگ فسطائی طاقتوں اور مخالف فسطائی طاقتوں کے درمیان ہے۔

جنوری ۱۹۴۲ء میں کانگریس نے فیصلہ کیا کہ اگر ہندوستان کو آزادی دے دی جائے تو وہ جنگ کے مقاصد کی تکمیل کے لیے اتحادی طاقتوں کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار ہے۔ حالانکہ اس سے قبل اگست ۱۹۴۱ء میں جب "اٹلانٹک چارٹر" کا اعلان کیا گیا اور اس میں جنگ کے مقاصد بتائے گئے تو کہا گیا تھا کہ

"جن اقوام کو ان کے حق خود اختیاری اور خود مختارانہ حکومت سے بالجبر بے دخل کر دیا گیا ہے ان سب کو اپنی پسند کے مطابق حکومت بنانے کا حق ہوگا۔"

لیکن ۹۔ستمبر ۱۹۴۱ء کو وزیر اعظم برطانیہ مسٹر چرچل نے اس اعلان کے ذریعہ کہ "اٹلانٹک چارٹر" کا اطلاق صرف ان قوموں پر ہوگا جن پر نازی جرمنی نے قبضہ کیا ہے، ہندوستان

کی آزادی کے سوال کو جنگ کے مقاصد سے خارج کر دیا تھا۔

اس کے باوجود جنگ کی نئی صورتحال کے پیش نظر کانگریس نے اپنی حمایت کا اعلان کیا۔ اور گاندھی جی کے نظریۂ عدم تشدد کو مسترد کر کے اس پر آمادگی ظاہر کی کہ اگر برطانوی حکومت ہندوستان کی آزادی کا فیصلہ کر دیتی ہے تو ہندوستان مکمل طور پر جنگ میں ساتھ دینے کے لیے تیار ہے۔

کانگریس کے اس فیصلہ پر گاندھی جی اپنے "عدم تشدد" کے نظریہ کی بنا پر کانگریس سے مستعفی ہو گئے۔

طارق سعید

فیصل آباد

کارکن بھٹو کے ساتھ ابن الوقت کوثر نیازی کے ساتھ

چوہدری طالب نے کھر کی ہدایات کا بھی انتظار نہیں کیا!

مولانا کوثر نیازی کی طرف سے بیگم نصرت بھٹو اور پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو تخریب پسند قرار دیئے جانے کے بعد سرکاری نیوز ایجنسی اے پی پی نے مولانا کی حمایت اور "تخریب پسندوں" کی مذمت میں جن سابق ارکان اسمبلی کے بیانات پنجاب سے جاری کیے ان میں سرفہرست ضلع فیصل آباد ہے جہاں گزشتہ چھ سالوں میں پارٹی کو نہ تو شہری اور نہ ہی ضلعی سطح پر فعال اور عوامی قیادت نصیب ہوئی اور نہ ہی پارٹی کے حصول اقتدار ہونے کے بعد ہائی کمان نے یہاں فعال قیادت دینے کی کوشش کی۔ اکتوبر ۷۷ء کے انتخابات کے لیے مولانا کوثر نیازی اور ملک غلام مصطفیٰ کھر نے پارٹی کے ٹکٹ ایسے ایسے موقع پرستوں کو دلوائے کہ آج وہی موقع پرست بھٹو خاندان اور اس کے حامیوں کو تخریب کار قرار دیکر کوثر نیازی کی آغوش میں جا رہے ہیں یا پھر ان ابن الوقت سابق ارکان اسمبلی کو بھٹو خاندان کی تخریب کاریاں نظر آ رہی ہیں جنہیں پارٹی نے مارچ ۱۹۷۷ء اور اکتوبر ۷۷ء کے لیے انتخابی ٹکٹ نہیں دیتے مولانا کوثر نیازی کی حمایت میں فیصل آباد کے جن سابق ممبران اسمبلی کے بیانات اخبارات میں شائع ہوئے ہیں ان میں سے دو یعنی چوہدری غلام نبی سابق ایم این اے اور رانا سخاوت علی سابق ایم این اے صدر پی پی پی ضلع فیصل آباد نے تو تردیدی بیانات دے دیئے ہیں حالانکہ رانا سخاوت کو اکتوبر انتخابات کے لیے ٹکٹ نہیں دیا گیا تھا۔ بلکہ ان کی جگہ مصطفیٰ کھر کے دست راست اور سابق صوبائی وزیر چوہدری طالب حسین کو ٹکٹ دیدیا گیا تھا۔ ہر چند رانا صاحب اس وقت سے اب تک خاموش بیٹھے ہیں لیکن انہوں نے کوثر نیازی کی حمایت سے انکار کر دیا۔ جبکہ چوہدری طالب حسین نے بیگم نصرت بھٹو کو تخریب پسند قرار دیکر کوثر نیازی کی اطاعت قبول کر لی۔ مارچ ۱۹۷۷ء میں چوہدری طالب حسین اور چوہدری عبدالرحمٰن جامی پی این اے کے امیدوار تھے۔ لیکن کھر صاحب کی واپسی کے بعد ان دونوں کی واپسی کا سراغ اس وقت ملا جب انہیں اکتوبر انتخاب کے لیے ٹکٹ دے دیئے گئے اور اب یہ دونوں کھر کے ساتھ بھی نہیں ہے بلکہ کوثر نیازی کے ساتھ چلے گئے اور کھر کے احکامات کا بھی انتظار نہیں کیا۔ حالانکہ احکامات لینے کے لیے کھر کا ایک دست لندن گیا ہوا ہے ان کے علاوہ جو ٹکٹ یافتگان کوثر نیازی کے ساتھ گئے ہیں ان میں گوجرہ سے قومی صوبائی اسمبلیوں کے امیدوار چوہدری بشیر احمد ٹرانسپورٹر، چوہدری مظفر احمد چیمہ، سمندری سے چوہدری محمد علی ٹرانسپورٹر۔ وائل ٹریول ایجنسی والے حاجی شرکت علی سابق ایم این اے شامل ہیں جبکہ جنہیں ٹکٹ نہیں ملے تھے ان میں سے راجہ مبارز خان سابق ایم این اے، نور احمد ماہی سابق ایم پی اے محمد خان افضل رندھاوا سابق ایم این اے چوہدری حمید اللہ سابق ایم پی اے، رائے شہادت علی سابق ایم پی اے نے اسلام آباد جا کر مولانا کے دست اقتدار پرست پر بیعت کی ہے ممکن ہے کہ ابھی ایک دو ٹکٹ یافتگان کو بھٹو خاندان کی تخریب کاریاں نظر آ جائیں گی۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ کوثر نیازی کو سب سے زیادہ مان چوہدری غلام احمد سابق ایم پی اے سے ذاتی و سیاسی دوستی پر تھا لیکن چوہدری صاحب نے اپنی وضعداری قائم رکھتے ہوئے برے دنوں میں بھٹو خاندان کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ اور اب تک ڈٹے ہوئے ہیں سید علی رضا شاہ سابق ایم پی اے کو صوبائی وزارت کی سیٹ دکھائی گئی لیکن ضلع کے اس واحد جاگیردار نے بھی بھٹو خاندان کا ساتھ ترک کرنے سے انکار کر دیا ہے جو لوگ جا چکے ہیں ان کے جانے پر پارٹی کارکن اور عام آدمی بہت خوش ہے کہ چلو بھٹو صاحب نے تو تطہیر نہیں کی اب پی این اے اور عبوری حکومت کی کوششوں سے ہی پارٹی میں تطہیر ہو گئی ہے کارکن تو چاہتے ہیں کہ لقا یا موقع پرست بھی ان کی جان چھوڑ جائیں تو بہتر ہے۔ بہر حال اقتدار پسندوں کی رخصتی سے اب ضلع میں پیپلز پارٹی پہلے کی نسبت مضبوط بھی ہو گی اور فعال بھی۔

ادھر جس روز حیات لاہور کا پہلا نیا شمارہ یہاں پہنچا تو مزدوروں نے اسے بھٹو کا اخبار سمجھ کر اور یہ سرخی دیکھ کر کہ "پارٹی مضبوط ہو گی" خرید لیا لیکن جب ان کی نظر اس میں اس خبر پر پڑی کہ سعودی عرب کے شاہ خالد نے بھٹو کی سزائے موت کی معافی کی اپیل نہیں کی تو انہوں نے جگہ جگہ "حیات" کے پرچے نذر آتش کیے۔ اب صورت یہ ہے کہ "حیات" ہاکروں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے یا اسٹالوں کی رونق دوبالا کئے ہوئے لیکن عوام اسے خریدتے نہیں اور بے چارہ نیا ایجنٹ اس صورت حال سے پریشان ہے جس نے ۹ ہزار زر ضمانت دے کر ایجنسی حاصل کی تھی۔ "حیات" کی مقبولیت سے کوثر نیازی کی حقیقی پیپلز پارٹی کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جبکہ مساوات، تعمیر اعلان، امن مارکیٹ میں آتے ہی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتے ہیں۔ ان اخبارات کے ایجنٹ زیادہ پرچہ مانگتے ہیں لیکن دفتر زیادہ پرچہ کی سپلائی سے معذوری کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہی حال ہفت روزہ الفتح، معیار اور دعوت عمل کا ہے جبکہ رجعت پسند ہفت روزہ جرائد کے انبار اسٹالوں پر ہفتہ بھر پڑے رہتے ہیں اور کوئی خریدنے والا نہیں۔ اخبارات و جرائد کے سلسلہ میں عوام کی دلچسپی اور عدم دلچسپی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عوام دائیں بازو کے ساتھ ہیں یا بائیں بازو کے حامی۔

اکرم دھریجہ

جب جیل کی فصلیں
"یکم مئی کے شہیدوں کو سلام"
کے نعروں سے گونج اٹھیں

ڈاکٹر اعزاز نذیر

محنت کش طبقے کے باشعور افراد چاہے جیل میں ہوں یا باہر وہ اپنے انقلابی مقصد سے روگردانی نہیں کرتے! اس حقیقت کی بے شمار مثالیں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں. یکم مئی محنت کشوں کا دن ہے وہ عظیم دن جب مزدوروں نے صحیح سمت میں پہلا قدم اٹھایا تھا اور رہتی دنیا تک وہ اس عظیم دن کو یادگار بنائے رہنے کا ہر سال یکم مئی کو عزم تازہ کرتے اور اپنے عہد کی تجدید کرتے ہیں.

پاکستان کی جیلیں محنت کشوں کے رہنماؤں کارکنوں اور ہمدردوں کو اپنے حصار میں رکھنے کی عادی ہو گئی ہیں اور جیسے جیسے لیٹرے طبقات کے خلاف استحصال زدہ طبقات کی جدوجہد تیز ہو رہی ہے ان جیلوں کی ہوس میں اضافہ ہو رہا ہے لیٹرے طبقات کو تنگ کرنے کے جرم میں ہم بھی ۱۹۷۷ میں جیل یاترا سے محظوظ ہو رہے تھے کہ یکم مئی کی آمد آمد کا احساس دلوں میں جاگا اور ہم نے اپنی بہترین روایت کے مطابق یکم مئی کے سورج کا استقبال جیل میں کرنے کا پروگرام بنایا. دنیا کے ان خطوں میں جہاں استحصالی نظام محنت کشوں پر مسلط ہے یقینی طور پر وہاں کے اسیر محنت کش بھی اپنا عظیم دن جیلوں میں مناتے ہونگے. اور ہم سے پہلے بھی پاکستان کی جیلوں میں یہ دن منایا گیا ہوگا.

یکم مئی کو صبح ۱۰ بجے جلسے کا آغاز ہوا جلسے کی صدارت سندھ کے مشہور شاعر جناب ابراہیم منشی نے کی اور اسٹیج سیکرٹری کے فرائض مزدور رہنما جناب محمد اکرم دھریجہ نے انجام دیئے قاری عبدالرحمٰن نے تلاوت قرآن مجید سے جلسے کی کارروائی کا آغاز کیا. اسٹیج سیکرٹری نے سب سے پہلے یکم مئی کے تاریخی پس منظر اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یکم مئی جدوجہد کی لافانی علامت ہے یہ دن ہم آج ایسے حالات میں منا رہے ہیں جب عرصہ حیات ہم پر تنگ ہے اور مزید تنگ کیا جا رہا ہے گزشتہ چند سالوں میں پاکستان کے محنت کشوں کے رہنما، کارکن، طالب علم، دانشور اور مظلوم

منشی ابراہیم

اکرم دھریجہ

طبقات کے ہمدرد کئی بار دار و رسن کی آزمائش سے گزرے پولیس فائرنگ کے مقابل اپنے ننگے سینے تانے بہیمانہ لاٹھی چارج کا مقابلہ کیا اور ۱۹۴۷ء سے لیکر آج تک بے شمار لوگوں نے استحصالی نظام کے خلاف آواز اٹھانے کے "جرم" میں جام شہادت نوش کیا. پاکستان کے سارے مظلوم طبقات کو ۸ جنوری ۱۹۵۳ء، ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۳ء، ۱۹۶۸ء، ۷۰-۱۹۶۹ء، ۱۹۷۲ء اور اس کے بعد کے سالوں میں ہونے والے مظالم کی روئیداد زبانی یاد ہے اپنے شہیدوں اور زخمیوں کے چہرے ان کی آنکھوں میں بسے ہوئے ہیں اسی طرح انہیں اپنے ان شہیدوں کے کارنامے بھی ازبر ہیں جنہوں نے یکم مئی ۱۸۸۶ء کو شکاگو کی راہوں کو اپنے خون سے سرخ کر دیا. اور اپنے خون میں رنگے ہوئے سرخ پرچم کو مزدوروں کی جدوجہد کا بین الاقوامی نشان بنا دیا.

صدرِ جلسہ، اسٹیج سیکرٹری اور مقررین سب ہی قیدی تھے

اسٹیج سیکرٹری کے بعد منفل تنفیق ٹیکسٹائل ملز یونین کے صدر ختہ خان نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ساتھیو! میں ایک ان پڑھ مزدور ہوں زیادہ بات نہیں جانتا لیکن ایک بات ضرور جانتا ہوں کہ شکاگو کے مزدوروں کی جدوجہد ظلم و تشدد کے خلاف تھی اور پاکستان کے مزدوروں کی جدوجہد بھی استحصالی طبقات کے خلاف ہے، ہمیں یقین ہے کہ وہ دن ضرور آئے گا جب ہم کامیاب و کامران ہونگے۔

ان کے بعد کلوب ملز لانڈھی کے صدر حاجی حبیب اللہ خان نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جب بھی مزدوروں پر مشکل وقت آیا ہے تو لیٹرے طبقات کی محافظ سیاسی جماعتوں نے ہم مزدوروں کا ساتھ نہیں دیا۔ اس لیے ہم قومی اتحاد والوں کے وعدوں پر کم یقین کرتے ہیں اور ان سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان کے وعدے بھی صرف وعدے ہی ہے تو ہم ان کے خلاف بھی جدوجہد کرینگے اور اپنے حقوق کے لیے لڑیں گے۔

ان کے بعد کراچی ٹرامو ے ورکرز یونین کے صدر بابا معاصرین خان نے اپنی تقریر میں کہا کہ بھیتو! میں چند منٹ میں اپنے خیالات بتاؤں گا۔" بھیتو! ظالم سرمایہ دار" مزدور کو اتنا بھی نہیں دیتا جتنا کہ اس کو پیٹ بھرنے کے لئے چاہیئے۔ پھر بھلا مزدور اپنے بال بچوں کا پیٹ کیسے پالے گا۔ سرمایہ دار اور سرحد کا خان اتنا ذلیل ہے کہ ہم سے زندہ رہنے کا حق بھی چھین لیا ہے۔

ان کے بعد زرین خان نے اپنی تقریر میں کہا۔ مظلوم کسی بھی جگہ کا ہو، کسی بھی رنگ و نسل کا ہو، مظلوم ہے اور ظالم کسی جگہ کسی رنگ کسی نسل کا ہو وہ ظالم ہے اس لئے ہم دنیا بھر کے مظلوموں کو متحد کر کے دنیا بھر کے ظالموں کے خلاف جدوجہد کو ہر لمحہ تیز کر رہے ہیں۔

انہوں نے دورانِ تقریر اپنے گاؤں کا ایک واقعہ سناتے ہوتے کہا۔ ہمارے گاؤں میں ایک تقریب پر سارے علاقے کے خان جمع تھے، محفل جمی ہوئی تھی، ایک بھانڈ خانوں کا دل بہلانے میں مصروف تھا کہ ایک خان نے اس بھانڈ سے کہا۔" اے اچھا تم یہ بتاؤ ہم سب خانوں میں سب سے اچھا کون ہے۔ بھانڈ نے کہا مفت میں تو نہیں بتاؤں گا پہلے کچھ دو۔ سارے خانوں نے اس کے ہاتھ پر زیادہ سے زیادہ روپے رکھنے شروع کئے تاکہ اس پر ان کی حیثیت کا سکہ بیٹھ جائے۔ جب سارے خان روپے دے چکے تو اس بھانڈ نے کہا اب ذرا درمیان میں سے میرے نکلنے کا راستہ بنا دو تاکہ میں گذر سکوں۔ راستہ بن گیا۔ بھانڈ درمیان میں سے گذر کر آخری سرے پر پہنچا جہاں سے کھیت قریب اور اس کے چھپنے کی جگہ نزدیک تھی۔ وہاں پہنچ کر اس نے خانوں کی طرف منہ کر کے کہا اچھا خان کون ہے اس کا نام لوں سب خانوں نے کہا ہاں۔ اور پھر بھانڈ نے کہا۔ سور سور ہے۔ سوروں میں اچھا برا نہیں ہوتا۔ اور جتنی دیر میں خان یا ان کے چمچے بھانڈ تک پہنچتے وہ رفوچکر ہوگیا۔ تو دوستو! ظالموں اور لٹیروں میں سے کوئی اچھا
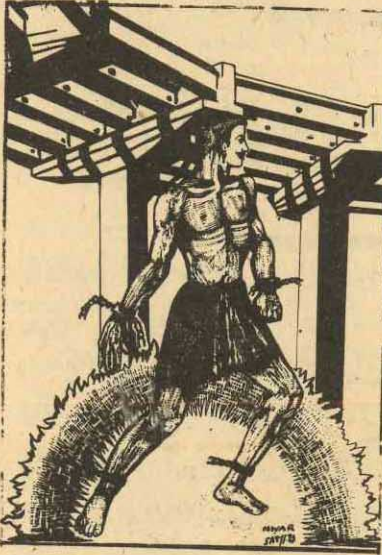
مزدور قومی اتحاد کے وعدوں پر یقین نہیں رکھتے: حبیب خان

اور کوئی بُرا نہیں ہوتا۔ سب درندے ہی ہوتے ہیں۔

ان کے بعد معروف مزدور رہنما ڈاکٹر اعزاز نظر نے اپنے مخصوص انداز میں اس جلسے سے خطاب کرتے ہوتے یکم مئی کی تاریخ اور تحریک پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ حکمران طبقے مزدور طبقوں کو جس شدت سے دباتے اور ان پر مظالم کرتے ہیں وہ اسی شدت سے ابھرتے اور کامیاب ہوتے ہیں۔ انہوں نے کہا شکاگو کی مئی تحریک نے ہی مزدوروں کو یہ شعور دیا کہ مزدور طبقہ ہی وہ واحد طبقہ ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف بھرپور جدوجہد کر سکتا ہے۔ اور ریاست پر قبضہ کر کے اسے پرولتاری ریاست میں تبدیل کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر اعزاز نظر کی گھن گرج ابھی جیل کے در و دیوار سے ٹکرا ہی رہی تھی کہ سندھ عوامی تحریک کے رہنما اور ہاری لیڈر اسماعیل سومرو نے شاہ لطیف کے شعر سے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوتے کہا۔ آج یکم مئی کی تحریک کا تقاضہ ہے کہ مزدور کسان اور ہاری اتحاد کی کوششیں تیز تر کر دی جائیں تاکہ بوسیدہ استحصالی ڈھانچے پر ایک کاری ضرب لگائی جا سکے۔ اگر ہم نے یہ کام نہیں کیا تو ہم میں اور مزاروں کے مجاوروں میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ ان مقررین کے علاوہ جلسے سے قاضی جمیل، اعظم خان وکیل، نفیس صدیقی، انوار الایمان فاروقی اور شبر خان نے خطاب کیا۔ اور صاحب صدر نے اپنی صدارتی تقریر کے علاوہ وقفے وقفے سے اپنی انقلابی نظمیں بھی حاضرین کی نذر کیں۔ اس طرح یہ تاریخی جلسہ اختتام کو پہنچا جلسے سے قبل ہم نے قومی اتحاد کے سرکردہ لیڈروں سے بھی اس جلسے میں شرکت کی درخواست کی تھی اور انہوں نے ازراہِ نوازش جلسے میں حاضر ہونے کا وعدہ بھی فرمایا تھا لیکن وہ اپنی روایت کے مطابق وعدہ خلافی کر گئے۔ شاید انہیں جیل میں سختی، کسی اور جیل میں تبادلہ یا کسی نئے مقدمے کے بن جانے کا خوف تھا۔ ویسے بھی جماعت اسلامی کے لوگ یومِ مئی کو غیر اسلامی دن کہتے ہیں اسی لئے جماعت کی بغل بچہ یونین پیاسی کے جنرل سکریٹری رفیق احمد وعدہ کر کے بھی مزدوروں کے اس جلسے میں شریک نہیں ہوتے اور بعد میں جواز کے طور پر کہا کہ یکم مئی اسلام میں جائز نہیں۔

جیل میں منعقد ہونے والے اس جلسے میں غیر سیاسی قیدیوں نے بھی نہ صرف شرکت کی بلکہ اس کے انتظامات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور شکاگو کے شہید مزدوروں اور پاکستان اور دنیا کے مظلوم محنت کشوں کے حق میں بار بار نعرے لگا کر جیل کی دیواروں کو لرزہ براندام کر دیا۔ یکم مئی کے شہیدوں کو سلام، پاکستان اور تمام دنیا کے مزدور شہیدوں کو سلام، یکم مئی زندہ باد، مزدور کسان طلبہ اتحاد زندہ باد کے نعروں کی گھن گرج کے ساتھ لوگ اپنی اپنی بیرکوں کی طرف سے روانہ ہوتے۔ ■

یومِ مئی کا عزم جدوجہد

محمد حنیف، ورکرز آرگنائزنگ کمیٹی، سندھ

آج سے تقریباً بانوے سال پہلے سرمایہ دار طبقے کے شدید استحصال کے خلاف شکاگو میں مزدوروں نے اپنی تحریک کا پرچم بلند کیا۔ مزدوروں کے مسائل پر غور کرنے کی بجائے سرمایہ دار طبقے نے مزدوروں کے خلاف اپنے ریاستی تشدد، سرمایہ دار قوانین اور استحصالی انصاف کو پورے غیض و غضب کے ساتھ استعمال کیا، تاکہ مزدوروں کی آواز کو دبایا جا سکے۔ سڑکیں۔ بازار اور پھانسی کے جھولے مزدوروں کے خون سے رنگ گئے۔ مزدوروں نے اپنے بہتے ہوئے زندہ خون سے اپنا پرچم سرخ کیا۔ شکاگو کے جیالے اور بہادر مزدوروں کے خون سے رنگا ہوا پرچم دنیا بھر کے مزدوروں کا پرچم بن گیا۔ مزدوروں کا یہ سرخ پرچم آج دنیا بھر میں لہرا رہا ہے۔ دنیا بھر کے مزدوروں نے اپنی جدوجہد کے ذریعے نہ صرف اس پرچم کو بلند رکھا، بلکہ مزدور طبقے کی جدوجہد کو تیز تر کیا ہے۔ دنیا کے بے شمار ملکوں نے استحصالی طبقوں کی لوٹ کھسوٹ اور ظلم و تشدد کا خاتمہ کر دیا ہے۔ دوسرے ملکوں میں ظلم و استحصال کے خلاف مزدوروں کی جدوجہد تیز سے تیز تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔

پاکستان کی مزدور تحریک بھی ان گنت قربانیوں اور بے مثال جدوجہد سے عبارت ہے۔ آج بھی پاکستان میں استحصالی نظام رائج ہے۔ آج ہمارا ملک معاشی بدحالی، سماجی ابتری اور سیاسی انتشار کا شکار ہے۔ ہمارے ملک کے محنت کش عوام جن میں مزدور، کسان، صحافی، سرکاری و نیم سرکاری ملازمین اور دیگر محبِ وطن شامل ہیں انتہائی دردناک حالات سے دوچار ہیں۔ ضروریات زندگی کی اشیاء کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اور مہنگائی میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے مزدوروں کو برطرفیوں، لاک آؤٹ۔ لے آف اور انتقامی کارروائیوں کے ذریعے اور کسانوں کو بے دخلیوں کے ذریعے بیروزگاری کے گڑھے میں دھکیلا جا رہا ہے۔ سینکڑوں کارخانے بند ہو رہے ہیں۔ صنعت اور دیگر شعبوں میں ترقی نہ ہونے کے برابر ہے۔ معاشی، سماجی اور سیاسی استحصال کے ساتھ ہی ساتھ محنت کش عوام پر سرکاری ظلم و تشدد میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔

بین الاقوامی سامراجی طاقتیں پاکستان کے اندرونی معاملات میں پہلے سے زیادہ دخل اور سازشیں کر رہی ہیں۔ آج پاکستان بین الاقوامی سامراجی طاقتوں کی سازشوں کا گڑھ بن کر رہ گیا ہے۔ پاکستان کی تمام سرمایہ دارانہ سیاسی جماعتیں محنت کشوں کے معاشی استحصال اور ریاستی تشدد کے خلاف عملی جدوجہد کرنے اور بین الاقوامی بڑی طاقتوں کی پاکستان کے خلاف سازشوں کا قلع قمع کرنے کے لئے رائے عامہ بیدار کرنے سے قاصر رہی ہیں۔ تمام سرمایہ دارانہ سیاسی جماعتوں نے سوائے کھوکھلی نعرہ بازی کے محنت کش عوام کے حقوق حاصل کرنے اور پاکستان کے خلاف دو بڑی طاقتوں کی سازشوں کو مسترد کرنے کے لئے کبھی کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ موجودہ نظام اور اس کی نمائندہ تمام سیاسی جماعتیں محنت کش عوام اور پاکستان کے مسائل حل کرنے سے قاصر ہیں۔

اس صورت حال میں محنت کش عوام، بالخصوص مزدوروں، کسانوں، طلباء، دانشوروں، اساتذہ، صحافیوں، وکلاء اور خواتین اور تمام محبِ وطن عناصر کا فریضہ ہے کہ محنت کشوں کی سیاست کے تحت متحد ہو کر معاشی لوٹ کھسوٹ، سیاسی انتشار اور سماجی تشدد و تیز پاکستان میں بیرونی سامراجی مداخلت کاری کا بھرپور مقابلہ کریں۔

آئیے۔ یوم مئی کے عالمی مزدور دن کے موقع پر ہم یہ عزم کریں کہ ہم مزدور طبقے کی جدوجہد کے پرچم کو ہمیشہ بلند رکھیں گے۔ اور ظلم و تشدد اور استحصال کے خلاف کامیابی تک جدوجہد کریں گے۔

یہ ہنگامِ وداعِ شب ہے اے ظلمت کے فرزندو!
سحر کے دوش پہ گلنار پرچم ہم بھی دیکھیں گے

شاہی جاسوس

ذیدہ ور کے مصنف مولانا کوثر نیازی جماعت اسلامی کی تربیت گاہ کے فارغ التحصیل ہیں اور یہ ثابت کرنے آئے ہیں کہ انہوں نے کسبِ "کمال" کیا ہے۔ اب تو خیر سے وہ لاکھوں کروڑوں میں کھیلتے ہیں لیکن ایک زمانے میں چند سو روپے ماہانہ بھی ان کے لیے بڑی اہمیت رکھتے تھے ان کے

اسی دور کا قصہ ہے کہ وہ ایوب خان کے قائم کردہ "نیشنل ری کنسٹرکشن اینڈ ریسرچ بیورو" میں ملازم تھے ان کے ذمہ کام یہ تھا کہ ادیبوں، دانشوروں، فنکاروں کے درمیان اٹھیں بیٹھیں اور ان کی سرگرمیوں اور خیالات کی اطلاع بیورو اور دوسرے خفیہ محکموں کو فراہم کریں۔

موصوف کچھ عرصہ تو اپنے فرائض بحسن و خوبی ادا کرتے رہے لیکن ادیب، فنکار اور دانشور ان کی طرف سے مشکوک ہو گئے اور احتیاط برتنے لگے نوبت یہاں تک پہنچی کہ انہیں نااہل قرار دیکر ان کی تنخواہ روک دی گئی

اس زمانے میں ان کے افسر مجاز سید فیضی (معروف شاعر) ہوا کرتے تھے۔ کوثر نیازی نے ان کے ایک ممتاز افسانہ نگار صحافی دوست کو گھیرا، اپنی غربت اور پریشانی کا رونا رویا۔ اور گڑگڑا کر انہیں سفارش پر آمادہ کیا انہیں ساتھ لیکر فیضی صاحب کے گھر پر حاضری دی ان کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور تنخواہ بحال ہو گئی۔

گجرات ■ میاں محمد شریف زاہد

سید ولایت حسین شاہ کنونشن کی صدارت کر رہے ہیں

ایجنسی سسٹم سیمنٹ کی چور بازاری کا ذریعہ

متحد ہو کر مسائل حل کرائیں گے

محمد شریف

گزشتہ دنوں پنجاب ریٹیلرز ایسوسی ایشن کا کنونشن گجرات میں زیر صدارت سید ولایت حسین شاہ منعقد ہوا۔ اجلاس میں گجرات، منڈی بہاؤالدین، فیصل آباد، راولپنڈی سیالکوٹ، پسرور، گوجرانوالہ ساہیوال، منڈی ڈھاباں سنگھ، لالہ موسیٰ، شیخوپورہ، وزیر آباد، وہاڑی اور اوکاڑہ کے مندوبین نے شرکت کی۔ سیمنٹ ریٹیلرز ایسوسی ایشن پسرور کے جنرل سیکرٹری بشیر حسین نے اس کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ تیس سال سے پاکستان میں سیمنٹ کی مصنوعی قلت پیدا کی جا رہی ہے تاکہ اس کے ذریعے منفی سیاسی مقاصد پورے کیے جا سکیں۔ سیمنٹ کی مصنوعی قلت کے بعد ایجنسی سسٹم قائم کر کے بلیک مارکیٹنگ کے راستے کھول دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ایجنسی سسٹم کو ختم کر کے سیمنٹ عام مارکیٹ میں لایا جائے تاکہ ذخیرہ اندوزی، چور بازاری اور بلیک مارکیٹنگ کا خاتمہ ہو سکے

بشیر حسین صاحب کے بعد اجلاس سے شیخوپورہ کے جنرل سیکرٹری شیخ حمید احمد فیصل آباد کے صدر محمد یوسف، گوجرانوالہ کے نمائندے حاجی عبداللہ، مرکزی خازن چودھری محمد خان، سیالکوٹ کے جنرل سیکرٹری محمد سعید اختر اور کنونشن کے صدر سید ولایت حسین شاہ نے مندوبین سے خطاب کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ ایجنسی ہولڈروں کی طرح پرچون فروشوں کو بھی فی ماہ کم از کم دو ٹرک سیمنٹ کا کوٹہ دیا جائے اور سیمنٹ کی تقسیم کے نظام کو سگریٹ اور گھی کی تقسیم کے نظام کی طرح منظم کیا جائے۔ مقررین نے پرچون فروش حضرات کو متحد ہونے کی تلقین کی اور کہا کہ ہم جب تک اپنے مسائل حل کرانے کے لیے بھرپور جدوجہد نہیں کریں گے۔ اس وقت تک مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم متحد ہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمارے عزم کو شکست نہیں دے سکتی۔ اور ہم وہی کچھ حاصل کر لیں گے جس کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔

دوسرے اجلاس میں سال رواں کے لیے پنجاب سیمنٹ ریٹیلرز ایسوسی ایشن کے سالِ رواں کے لیے انتخاب عمل میں آئے اور تمام مندوبین نے اتفاق رائے سے الحاج سید ولایت حسین شاہ کو صدر، محمد یوسف سندھو سینئر کو نائب صدر، راج علی جونیئر کو نائب صدر، محمد سعید اختر کو سیکرٹری جنرل، عبدالجبار چودھری کو پروپیگنڈہ سیکرٹری محمد اکرم مرزا کو پریس سیکرٹری بشیر حسین کو جوائنٹ سیکرٹری اور چودھری محمد خان کو خزانچی اور مجلس عاملہ کے لیے حاجی محمد عبداللہ، شیخ رفیق احمد صوبیدار محمد رفیق، حاجی محمد حسین، صوفی غلام مصطفےٰ، صوفی حمید احمد، چودھری محمد سلیم، محمد رمضان اور چودھری غلام قادر کو منتخب کیا گیا۔

اوکٹرائے ایمپلائز فیڈریشن پنجاب کے قائم مقام سیکرٹری جنرل مشتاق احمد کوکب نے حکام بالا سے مطالبہ کیا کہ بلدیہ منڈی بہاؤالدین کے ایڈمنسٹریٹر کو ہدایت کریں کہ وہ اوکٹرائے ملازمین کے جائز مطالبات کو فوراً تسلیم کرے انہوں نے کہا کہ ملازمین کو اوکٹرائے ایکٹ ۱۹۶۲ء کے تحت وردیاں، میڈیکل الاؤنس، میڈیکل چھٹی دی جائے۔ اور چونگی انسپکٹر کو گریڈ ۸ اور چونگی محرر کو گریڈ ۶ دیا جائے اور چپراسی کے گریڈ میں بھی اضافہ کیا جائے۔

مشتاق احمد کوکب

محمد اکرم مرزا

پشاور

شہزاد غزنوی

مزدوروں کو بونس سے محروم کرنے کے لئے ہیر پھیر

امریکن ایڈ کے دفتر میں دھماکہ، گرفتاریوں کے لئے چھاپے

پچھلے دنوں امریکن ایڈ کے دفتر میں دھماکہ ہوا سرکاری ذرائع نے اسے ایک ٹائم بم قرار دیا لیکن اس پر مقدمہ قائم کر کے اس کی ذمہ داری پیپلز پارٹی کے چار رہنماؤں پر ڈال دی گئی ان رہنماؤں کو جن میں پیپلز پارٹی پشاور کے سیکریٹری جنرل سعید احمد خان، سابق صوبائی وزیر پروفیسر رشید، پشاور شہر وارڈ کمیٹی کے دو صدور مسٹر یاسین اور مسٹر منظور شامل ہیں پولیس گرفتار کرنے کے لئے چھاپے مار رہی ہے لیکن تا حال ان کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی۔

گو حکومت بار بار اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ سرحد میں امن و امان ہے لیکن ہر روز کسی نہ کسی عدالت سے مزدوروں کارکنوں، طلباء کی گرفتاری اور سزاؤں کی خبریں سنائی دیتی ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ حالات اتنے بھی پر امن نہیں اور خطرے کی گھنٹی بدستور بج رہی ہے اس کا ثبوت یوں بھی ملتا ہے کہ سرحد کے صنعتکار مارشل کی آڑ لیکر مزدور دشمنی میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں آدم جی پیپر ملز کی انتظامیہ ایک عرصہ سے یونین کو ختم کرنے کے لیے مختلف حربے استعمال کرتی رہی ہے لیکن پچھلے دور میں بارہا کوشش کرنے کے باوجود کامیاب نہ پائی تھی اب دوبارہ مزدور رہنماؤں کے خلاف گھناؤنے اور ناجائز الزامات لگا کر وہی فضا دوبارہ پیدا کرنا چاہتی ہے۔

پچھلے دنوں یونین کے صدر شیر محمد نے ایک پریس کانفرنس میں بونس کی ادائیگی کا مطالبہ کیا۔ اور کہا کہ انتظامیہ نے حساب کتاب میں ہیر پھیر کر کے نفع کو نقصان میں دکھایا جا رہا ہے اور اس طرح انتظامیہ گزشتہ سال کا بونس ہضم کرنا چاہتی ہے ایک صحافی کے سوال کے جواب میں مسٹر شیر محمد نے کہا کہ وہ اس بات کے لیئے تیار ہیں کہ ملز کا آڈٹ ملز کی کے آڈیٹر کریں وہ ثابت کریں گے کہ ملز کو خسارہ نہیں ہوا۔ اس مطالبے کے جواب میں انتظامیہ نے جنگ کے پہلے صفحے پر آدھے صفحے کا اشتہار چھپوایا اور شیر محمد کے بنیادی مطالبے پر گفتگو کرنے کی بجائے اس کی کردار کشی پر سارا زور صرف کیا۔

سرحد کے مزدور رہنما اعجاز راہی، عمر غزنوی، الطاف اعوان، یوسف انور خٹک، ذاکر حسین، قاضی محمد انور، شمشاد صدیقی اور دوسرے بہت سے رہنماؤں نے شیر محمد کے مطالبے کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ انتظامیہ شیر محمد کو پیپلز پارٹی کا کارکن ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہے تاکہ بونس کے مطالبے کو رد کرنے کا جواز پیدا کیا جا سکے۔ ان رہنماؤں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ یونین کا مطالبہ تسلیم کیا جائے اور آدم جی ملز کے مزدوروں کو گزشتہ سال کا بونس دلایا جائے۔

خضدار فائرنگ
تمھاری زبانیں کیوں گنگ ہیں

خضدار میں بلوچ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے جلوس پر فائرنگ اور اس میں کئی افراد کے شہید ہونے کی خبر نے پورے ملک میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی چنانچہ جب فیڈرل یونین آف سٹوڈنٹس نے ۲۰ اپریل کو اس واقعے کے خلاف بطورِ احتجاج "یومِ سیاہ" منانے کی اپیل کی تو پختون سٹوڈنٹس فیڈریشن نے پشاور یونیورسٹی میں جلسہ کرنے کا اعلان کیا۔ صبح دس بجے پشاور یونیورسٹی کا ایس۔ٹی۔سی ہال طلبہ سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور طلبہ انتہائی جوش و خروش اور بے تابی سے اجلاس کے شروع ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ اجلاس کی صدارت پی ایس ایف کے ایک جانے پہچانے رہنما اور آرگنائزنگ کمیٹی کے رکن شیر محمد خان نے کی اور سٹیج سیکریٹری کے فرائض شعبہ سیاسیات سے تعلق رکھنے والے طالب علم میر عالم خان سابق صدر پی ایس ایف اسلامیہ کالج نے انجام دیئے۔ اجلاس سے یونیورسٹی یونین کے لئے پی ایس ایف کے صدارتی امیدوار اسد اللہ آفریدی، جنرل سیکریٹری شپ کے امیدوار غلام محمد بنگش اور آرگنائزنگ کمیٹی کے ارکان شاہ روم اور شیر محمد خان نے خطاب کیا۔ مقررین نے طلبہ کے جلوس پر فائرنگ کی مذمت کرتے ہوئے شہید طلباء کی روحوں کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور زخمی ہونے والوں سے گہری ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور اس واقعہ کو طلبہ کے خلاف موجودہ انتظامیہ کی ایک وحشیانہ کاروائی قرار دیا۔ طالب علم رہنماؤں نے اس یقین کا اظہار کیا کہ بلوچستان کے ان جیالے فرزندوں نے اپنی قربانیوں کی عظیم اور طویل۔۔ تاریخ کو برقرار رکھتے ہوئے اپنے خون سے جو شمع روشن کی ہے، اس کی روشنی سامراجی نسب طبقاتی استحصال اور قومی جبر کے اندھیروں کو مار بھگائے گی انہوں نے اس مجرمانہ کاروائی کے ذمہ دار افراد کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کا مطالبہ کرتے ہوئے سوال کیا کہ احتساب کا مطالبہ کرنے والوں کی زبانیں ایسے واقعات کے بارے میں گنگ کیوں ہو جاتی ہیں۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ بلوچستان میں چار سالہ فوجی کاروائی، دیر میں فوجی کاروائی، وزیرستان پر بمباری اور کراچی میں مزدوروں کے قتلِ عام جیسے ماضی کے واقعات کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کی گئی ہے اور حال ہی میں ہونے والی ملتان فائرنگ اور پٹ فیڈر کے واقعات کے ذمہ دار افراد بھی ابھی تک دندناتے پھر رہے ہیں جب کہ مزدوروں، کسانوں اور طلبہ کو گرفتار کیا جا رہا ہے۔ پختون سٹوڈنٹس فیڈریشن نے ماضی میں بھی سول اور فوجی آمریتوں کے جبر و تشدد کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور آئندہ بھی وہ تمام سامراج دشمن اور عوام دوست تحریکوں کی مکمل حمایت کرے گی۔

اغوا کنندہ "ریڈ بریگیڈز" کی جاری کردہ ایلڈو مورو کی تصویر

مورو کو کیوں اغوا کیا گیا ؟

چند سو افراد کے مقابلے میں فوج اور پولیس کی ناکامی

ایلڈو مورو

ہلاک شدہ باڈی گارڈ

سڑک کی پہرہ داری

دہشت پسند کیوریسیو

پستول

گولیوں سے چھلنی کار

فاروق طارق
نمائندہ الفتح برائے یورپ
مقیم ایمسٹرڈم

اٹلی کے سرکردہ سیاستدان ایلڈو مورو کے اغوا نے اٹلی اور مغربی دنیا پر سنسنی طاری کر دی ہے۔ یہ واقعہ نہ صرف آنے والے واقعات کی نشاندہی کر رہا ہے بلکہ اس سے اٹلی کی حکومت کے مضبوط پشتوں میں دراڑ پڑ گئے ہیں۔ اٹلی کی دائیں بازو کی جماعت کرسچین ڈیموکریٹک پارٹی کے اہم ترین لیڈر ایلڈو مورو کو اغوا کرنے کی ذمہ داری بائیں بازو کی انتہا پسند جماعت ریڈ بریگیڈ نے لی ہے اور اس اغوا کے ساتھ ہی انہوں نے حکومت کے ساتھ جنگ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ واقعہ ۱۶ مارچ کو پیش آیا

ایلڈو مورو کون ہے ؟

مورو کرسچین ڈیموکریٹک پارٹی کا اہم ترین فرد اور اٹلی کی سیاست میں کنجی کی حیثیت رکھتا ہے۔ مورو پانچ دفعہ وزیر اعظم منتخب ہوا اور وہ ایک نامور خلا سفر ہے۔ مورو کی جماعت دوسری جنگ عظیم کے بعد سے آج تک برسر اقتدار رہی ہے۔ مورو کے سیاسی مخالفین بھی اس کی سیاسی حکمت عملی اور اس کی سیاسی چالوں کے معترف ہیں۔ مورو اٹلی میں ۱۹۶۰ میں سب سے بڑی سیاسی تبدیلی کا ذمہ دار ہے مورو نے دائیں بازو اور بائیں بازو کی جماعتوں کے درمیان متحدہ محاذ بنانے کا پلان تیار کیا اور بہت تیزی سے اس میں آگے بڑھے۔ یہ مورو کی دھیمی لیکن مصالحت پسند سیاست کا ہی نتیجہ ہے کہ مارچ ۱۹۷۸ میں کرسچین ڈیموکریٹک کے کٹر مذہبی لوگ بھی کمیونسٹوں سے معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گئے کہ انہیں حکومت میں نمائندگی دی جائے۔ اس معاہدہ سے وہ سیاسی بحران ختم ہوا جس کے دوران اٹلی ۱۶ جنوری تک بغیر

اٹلی میں دائیں بازو کی سیاست پر ضرب کاری

اغوا کا واقعہ

یہ سنسنی خیز واقعہ ۱۶ مارچ کی صبح ۹ بجے اس وقت پیش آیا جب مورو پارلیمنٹ کے اجلاس سے خطاب کرنے جا رہا تھا۔ اس اجلاس میں کمیونسٹوں کے ساتھ معاہدہ کو آخری شکل دی جانی تھی اور اسے باقاعدہ بنانا تھا۔ مورو کی نیلے رنگ کی فیٹ کار کو بارہ تیرا انتہا پسندوں نے تین کاروں اور ایک موٹر سائیکل کے ساتھ گھیر لیا۔ اور اسٹین گن سے فائرنگ شروع کی۔ مورو کے حفاظتی دستہ کے پانچوں رکن ہلاک ہو گئے اور انتہا پسند گروہ مورو کو دن دہاڑے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اغوا کے تھوڑی دیر بعد ٹیلی فون کے ذریعے "ریڈ بریگیڈ" کے ایک ترجمان نے خبر رساں ایجنسی اے این ایس اے اور اٹلی کے ٹیلی ویژن کو مطلع کیا کہ ہم نے مورو کو اغوا کر کے حکومت کے دل پر حملہ کیا ہے اس کے بعد ایک اور ٹیلی فون کال سے انہوں نے خبردار کیا کہ ان کے ساتھیوں پر جو مقدمہ چل رہا ہے وہ اگر ۴۸ گھنٹوں میں نہ واپس لیا گیا تو مورو کو قتل کر دیا جائے گا۔

لیکن یہ صرف دھمکی ہی ثابت ہوئی۔ ۱۹ مارچ کو ریڈ بریگیڈ نے ایک خط اور مورو کی حالیہ تصویر کے ذریعے حکومت کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا۔ یہ فوٹو گراف اور خط سنٹرل روم کے ٹیلی فون بکس میں پایا گیا۔ اس کی اطلاع ٹیلی فون کے ذریعے مختلف اخبارات کو دی گئی۔ اس خط میں جو الیکٹرک ٹائپ رائٹر سے لکھا گیا تھا۔ ریڈ بریگیڈ نے ٹیورن میں چلنے والے مقدمہ کو واپس لینے پر زور دیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ ان کے ۱۵ ساتھیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ اس خط میں کسی قسم کے تاوان کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ اور لکھا گیا کہ مورو پر مقدمہ چلایا جائے گا اور یہ مقدمہ حکومت کے خلاف جنگ کا ایک حصہ ہوگا کیونکہ ریڈ بریگیڈ نے مورو کو اٹلی کی سیاست کا ان داتا لکھا ہے۔

ریڈ بریگیڈ کیسے وجود میں آیا

ریڈ بریگیڈ جو سینکڑوں نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ بائیں بازو کا ایک گروپ ہے۔ ریڈ بریگیڈ کا وجود ۱۹۶۹ء میں آیا۔ انہوں نے اپنی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۷۰ء میں کیا۔ اس کا سربراہ ۳۷ سالہ ریناٹو کرسیو ہے جو اس وقت ٹیورن جیل میں سزا بھگت رہا ہے اور جس کی رہائی کے لئے مورو کو اغوا کیا گیا ہے۔ کرسیو ایک محنت کار خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور وہ ٹورنٹو یونیورسٹی میں سوشیالوجی کا طالب علم تھا۔ یونیورسٹی جانے سے پہلے کرسیو نے ایک ہوٹل میں بیرا بن کر کام کیا۔ ۱۹۷۴ء میں اسے اغوا کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ لیکن اٹلی کے ایک قصبہ کیسل مونفر یٹو کی جیل پر کرسیو کی بیوی نے مسلح حملہ کیا اور اسے جیل سے چھڑا کر لے گئی۔ لیکن ۱۹۷۵ء میں وہ ایک پولیس مقابلہ میں ہلاک ہو گئی۔ کرسیو کو ۱۹۷۶ء کو دوبارہ میلان کے ایک فلیٹ سے گرفتار کر لیا گیا۔ اس سمیت ۱۵ افراد پر ٹیورن کی ایک جیل میں مقدمہ چل رہا ہے۔ یہ مقدمہ تین دفعہ معرض التوا میں ہوا۔ کیونکہ ۱۹۷۶ء میں اس مقدمہ کو رکوانے کے لئے پیرا سیکورٹر جنرل کو قتل کر دیا گیا اور پھر پچھلے سال مئی میں ایک وکیل صفائی کو قتل کر دیا گیا اور آخری دفعہ مقدمہ کی سماعت اس وقت ملتوی ہوئی جب انہوں نے اس عدالت کے اسپیشل برانچ آفیسر کو قتل کر دیا اٹلی کی عدالتوں کے اعلیٰ ترین وکلاء نے یہ مقدمہ لڑنے سے انکار کر دیا۔ ریڈ بریگیڈ کے ان تمام واقعات اور حکمت عملی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا جرمنی کے ایک دہشت پسند گروپ بادرین ہیوف سے رابطہ ہے۔ جرمنی کی پولیس بھی اٹلی کی پولیس کی مدد کر رہی ہے۔

ریڈ بریگیڈ کے سربراہ کرسیو نے جیل سے خطوط اور پمفلٹ کے ذریعے اپنے ساتھیوں کو مطلع کیا ہے کہ ہم اپنی زندگی میں اٹلی میں انقلاب نہیں لا سکتے ہیں لیکن ہم ایک ایسی جڑ بو رہے ہیں جس کی شاخیں ذرا دیر سے نکلیں گی۔ اور یہ جڑیں اتنی مضبوط ہوں گی کہ انہیں اکھاڑنا ممکن نہ ہوگا۔ اس نے لکھا کہ ہم یقین نہیں رکھتے کہ ہم کاسترو کی طرح اٹلی میں اتنی جلدی انقلاب لا سکیں گے۔ ہمیں ہر قیمت پر پچاس سال تک کا سوچنا چاہیئے۔ ریڈ بریگیڈ میں زیادہ تر درمیانہ طبقہ کے نوجوان طالب علم شامل ہیں۔ جنہیں اٹلی میں پھیلی ہوئی بدعنوانیوں اور ملازمت نہ ملنے کی وجوہات نے مجبور کیا ہے کہ وہ ایسے گروپ میں شامل ہوں جو انقلاب کی راہ پر چلتا ہو۔ کرسیو کے ساتھ دو اور اہم لیڈر پیلو فراری اور الفریڈو فراری ہیں ان کے علاوہ مقدمہ میں ایک اہم ملزم رابرٹو ہیلس جو درمیانی درجہ کے کمیونسٹ خاندان سے تعلق رکھتا ہے انہوں نے اٹلی کی جیلوں کے منتظمین اور انتظامات کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ انہوں نے اٹلی کی جیلوں کو زندہ انسانوں کا مقبرہ قرار دیا۔ اٹلی کی جیلوں کی اس وقت یہ حالت ہے کہ اس نے ملک میں دہشت پسندی کو فروغ دیا ہے۔ اٹلی کی عدالتوں کی نااہلی کا یہ ثبوت ہے کہ اس وقت ۳۰,۰۰۰ افراد مختلف جیلوں میں بند اپنے مقدمے کے شروع ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اٹلی میں ایک خیال یہ بھی پایا جاتا ہے کہ یہ دہشت پسند کام نیو ناشست دائیں بازو کی طرف سے لئے گئے ہیں کیونکہ وہ اس طرح کی حرکتوں سے بائیں بازو کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ ادھر ریڈ بریگیڈ کے لوگ عدالتوں کو جہاں ان پر مقدمات چلتے ہیں اپنے سیاسی پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اپنے بیان کے دوران وہ انقلاب کا درس دیتے ہیں۔

ادھر اس واقعہ کے بعد تمام سیاسی پارٹیوں بشمول کمیونسٹ پارٹی نے اس واقعہ کی پرزور مذمت کی ہے۔ مختلف ٹریڈ یونینیں ہڑتال پر چلی گئیں۔ پارلیمنٹ کے ایک ہنگامی اجلاس میں ایک نئی حکومت پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ ابھی تک حکومت اٹلی نے واضح اعلان نہیں کیا کہ آیا یہ مسئلہ گفت شنید کے ذریعے حل کیا سکتا ہے یا نہیں۔ ہزاروں لوگوں نے مورو کے اغوا اور حفاظتی دستہ کے قتل پر مظاہرہ کیا۔ دائیں اور بائیں بازو کی جماعتوں نے مشترکہ طور پر تدفین کی رسومات میں شرکت کی۔ اس وقت تقریباً ۵۰,۰۰۰ پولیس مین اور فوج گھر گھر جا کر تلاشی لے چکی ہے لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ۱۲ اپریل کو مورو نے اپنے ہاتھ سے ایک خط جاری کیا جس میں اس نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ سیاسی قیدیوں کے تبادلہ کو شروع کیا جائے کیونکہ یہ وقت کی ضرورت ہے۔ ادھر ڈیموکریٹک پارٹی کے ایک لیڈر اور وزیر کوتیمین نے کہا ہے کہ مورو نے اس سے پہلے اس قسم کے تبادلوں کی مخالفت کی تھی۔ کیونکہ اس کے خیال میں اس سے دہشت پسندی کو فروغ ملے گا۔ کوتیمین نے کہا کہ ریڈ بریگیڈ کی کرسچین ڈیموکریٹک کو اس مسئلہ پر دو حصوں میں تقسیم کرنے کی سازش ہے کیونکہ اس مسئلہ پر اختلاف رائے ہو سکتا ہے جبکہ ریڈ بریگیڈ نے اپنے خط میں کہا ہے کہ مورو کے خط کی ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے کیونکہ اس نے اپنی مرضی سے یہ خط جاری کیا ہے۔ ہم اس پر کوئی رائے دینا

نہیں چاہتے۔

اٹلی میں سیاسی صورت حال یہ ہے کہ تیزی سے دہشت پسند گروپ وجود میں آرہے ہیں۔ اس وقت تقریباً دو سو کے لگ بھگ گروپ ہیں لیکن ان میں سے پچاس کے قریب گروپ پچھلے دو ماہ کے دوران وجود میں آئے ہیں۔ یہ گروپ نظم و ضبط کو توڑنے میں کامیاب ہیں۔ پچھلے سال اٹلی میں دہشت گردی کے ۲۰۱۳ مظاہرے ہوئے۔ ہر ہفتہ ایک اغوا ہوا۔ اس کی ایک وجہ اٹلی کی سیاسی تبدیلی بھی ہے جو ۱۹۶۹ء تک جاری رہی اس سال پورے یورپ میں طالب علموں میں بے چینی پھیلی اٹلی کی کمیونسٹ پارٹی ۱۹۶۹ء تک بغاوت اور دہشت گردی کی طرف راغب تھی۔ لیکن اب وہ اس پالیسی پر عمل نہیں کر رہی ہیں کمیونسٹ پارٹی نے پچھلے الیکشن میں ۳۰ فیصد ووٹ حاصل کئے۔ مارچ میں ایک معاہدہ کے ذریعے حکومت سے تعاون پر آمادہ ہوئی۔ اور حکومت میں شرکت کی۔ اس شرکت کو روکنے کے لئے انتہا پسند گروپ نے مورو کو اغوا کیا انتہا پسند بائیں بازو کے گروپ اس معاہدہ کو ایک تجارتی سودا اور اپنے آپ کو بیچنے کے مترادف قرار دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے حکومت سے وہ مطالبہ پس پشت ڈال دیا ہے جس میں انہوں نے تمام پولیس کو ایک یونین میں جی آئی ایل میں مدغم ہونے کو کہا تھا۔ اس معاہدہ سے کرسچین ڈیموکریٹک پارٹی نے بڑی کامیابی سے حکومت کی صنعتی اداروں میں مداخلت کو روکنے کی کوشش کی ہے جبکہ کمیونسٹ حضرات نے اسے ایک تاریخی مصالحت کہا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مورو کے آخری خط سے جو ۱۰ اپریل کو لکھا گیا ملکی سیاست میں کیا تبدیلی آتی ہے آیا اس خط سے ڈیموکریٹک آپس میں مختلف حصوں میں بٹتے ہیں یا نہیں۔ ریڈ بریگیڈ مورو کو چھوڑ دے گا یا نہیں یا پولیس اسے ڈھونڈنے میں کامیاب ہوگی یا نہیں

جمعیت کے فیل جنرل سیکرٹری کو پاس کرانے کے لئے انتظامیہ کو کس نے مجبور کیا

کیا جامعہ کراچی یہ سہولت تمام طلبہ کو دے سکتی ہے

جامعہ کراچی کی انتظامیہ نے اسلامی جمعیت طلبہ کے صالحین کی دھمکیوں میں آکر یونین کے جنرل سیکرٹری غلام مجتبیٰ کو ایک مضمون میں فیل ہونے کے باوجود پاس ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیا۔ یہ پروویژنل سرٹیفکیٹ جس کا نمبر ۱۵۰۶ ہے۔ ۱۵ فروری ۷۸ء کو جاری کیا گیا جب کہ امتحانی نتائج ڈین فیکلٹی آف فارمیسی کو یکم اپریل ۷۸ء کو موصول ہوئے۔ اس سلسلے میں نگران طلبہ جناب ایس۔ آئی۔ احمد نے خصوصی معاونت کی جو خود فیکلٹی آف فارمیسی میں ایک شعبے سے وابستہ ہیں۔

انجمن طلبہ کے جنرل سیکرٹری پروویژنل سرٹیفکیٹ کی بنیاد پر جلد ہی ایک فارمیسیٹ کمپنی میں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور گذشتہ دنوں اس سلسلے میں جدہ بھی چلے گئے تھے۔ لیکن جب نتائج کا اعلان ہوا تو ایک پیپر میں فیل نکلے۔ لہٰذا جمعیت کے صالحین کے ٹیلی گرام پر واپس آگئے۔ کہ کہیں بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔ واپس پہنچتے ہی پہلے جمعیت کے غنڈوں کے ہمراہ راتوں کو اساتذہ کے گھروں پر دھاوا بولا۔ دھمکیاں دیں کہ "پاس" کرو۔ لہٰذا صالحین کی طرف سے زبردست دھونس دھمکیوں سے مغلوب ہو کر سمسٹر کے قواعد میں تبدیلی کرا کر دوبارہ امتحان دیا۔ اس سلسلے میں انتظامیہ کی جانب سے نیا سرکلر ۱۷۰ AF (۷۸-۴-۱۶) بغیر اکیڈمک کونسل کی منظوری کے جاری کیا گیا۔ یہ سرکلر لے کر جنرل سیکرٹری جمعیت کے صالحین کی قیادت میں ڈین آفس پہنچے۔ اور استادِ محترم کو دھمکی آمیز لہجے میں اطلاع دی کہ ہم جو چاہتے ہیں کرا لیتے ہیں۔ لہٰذا اب آپ فوراً خاموشی سے میرا امتحان لے لیں۔ دوسرے دن جنرل سیکرٹری کونسل روم میں خصوصی امتحان دیتے دیکھے گئے تو فارمیسی کے طلبہ نے ہنگامہ کر دیا جس پر موصوف فرمانے لگے کہ میں تو پاس ہوں بس گریڈ امپروو (IMPROVE) کر رہا ہوں۔ لیکن حقیقت کبھی چھپ نہیں سکتی گو کہ اس پر یونیورسٹی کی انتظامیہ نے بھی پردہ ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن موصوف کے فیل ہونے کا دستاویزی ثبوت اب سب کے سامنے ہے اور اس سلسلے میں انتظامیہ کی ناانصافی اور دروغ گوئی بھی بے نقاب ہو چکی ہے۔

یہ تو اسلامی انقلاب کے دعویداروں اور فرقہ مودودیہ کے صالحین کے کردار کی تصویر کی ایک جھلک ہے لیکن ایسی دھاندلیاں اور بدعنوانیاں اسلامی انقلاب کے یہ دعویدار تاریک پردے میں کرتے رہتے ہیں۔ اور جب ان کی سیاہ کاریاں بے نقاب ہو جاتی ہیں تو فوراً متعلقہ فرد کو لعنتیں ملامتیں دے کر نکال باہر کرتے ہیں۔ اور جب تک اس کی سیاہ کاریاں لوگوں سے چھپی رہتی ہیں۔ تو اسے گلے سے لگاتے رکھتے ہیں۔ اب یہی حال کچھ انجمن طلبہ کے جنرل سیکرٹری غلام مجتبیٰ کا بھی ہے۔ جب جمعیت کے سیاہ کرتوت جامعہ کے طلبہ و طالبات کے سامنے آئے تو فوراً اسے جمعیت سے نکال کر اپنے آپ کو معصوم اور پاک دامن بنا کر پیش کرنے لگے۔ حالانکہ اس سے قبل جمعیت انجمن طلبہ کے صدر محمود احمد اللہ والا کو بھی جامعہ کی محترم طالبات کو بدنام کرنے کی بنا پر جمعیت کی رکنیت سے خارج کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں آپ کو غالباً ایک محترم لیکچرار کا ایک طالبہ کے ساتھ سکینڈل یاد ہوگا جسے جمعیت نے خود ہی گھڑ لیا تھا۔

اسی طرح اسلامی جمعیت طلبہ کے سرگرم رکن اور انجمن طلبہ کے سابق صدر شفیع نقی جامعی کو بھی جمعیت سے نکال دیا گیا تھا۔ شفیع نقی نے جمعیت کے صالحین کے اشارے پر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت جامعہ کراچی اور اس کے اساتذہ کو بدنام کرنے کی ایک گھناؤنی سازش کی تھی۔ اس کے علاوہ تھنڈر اسکواڈ کے نام پر ایک دہشت پسند ٹولہ تشکیل دیا جو جامعہ میں فروغ اسلام کے نام پر غنڈہ گردی میں مشہور تھا۔ جب تک شفیع نقی جامعہ میں رہے۔ جمعیت کے صالحین کے ساتھ تعاون کرتے رہے لیکن جیسے ہی انہوں نے جامعہ کو خیرباد کہا فوراً

جمعیت سے نکال دیا گیا۔ پہلے جمعیت اپنے گھناؤنے مقاصد کے لئے اپنے اراکین کو خوب استعمال کرتی ہے اور پھر انہیں ذلیل و خوار کر کے صالحین کی فوج سے نکال باہر کیا جاتا ہے۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے ایک اور سرگرم رکن اور انجمن طلبہ کے سابق جنرل سیکریٹری محمد اکرم کلہوڑی کو بھی پہلے خوب استعمال کیا گیا اور بعد میں ذلیل کر کے جمعیت سے نکال دیا گیا۔

اسلامی جمعیت طلبہ کے صالحین کا یہ معمول رہا ہے کہ جب بھی انتخابات قریب آتے ہیں تو اس کے صالحین اپنے آپ کو خدا پرست، مومن، مسکین اور بھیگی بلّی کے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ جامعہ کے طلبہ و طالبات کو اپنی اسلام پسندی سے دھوکا دیتے ہیں۔ اپنی غنڈہ گردی اور دہشت گردی کے لبادے دوسروں کی گردنوں میں ڈالنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ جامعہ میں سلور جوبلی کے موقع پر جمعیت کے غنڈوں نے طلبہ کو سرکاری مداخلت کے خلاف احتجاج کرنے پر سر پھاڑے۔ ہاتھ توڑ دیئے تو محترم طالبات کو جنہیں اپنی بہنیں کہتے ہیں کرسیوں اور لاٹھیوں سے نوازا۔ اسی طرح صحافی محمود شام کی جامعہ کراچی میں آمد پر جمعیت کے صالحین اور اسلام کے دعویداروں نے مودودی کے بتائے ہوئے درس کے مطابق ہی سلوک کیا تھا۔ مساوات کے حسّان شگمامی کا کیمرہ چھین لیا۔ اور بعد میں جمعیت کے صالحین اُسے بیچ کر بیسے کھا گئے۔ یہ ہے اسلامی جمعیت طلبہ اور مولانا مودودی کے پرستاروں کا اسلامی کردار۔ اس سے جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ کی تحریک اسلامی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جماعت اسلامی کے اسلامی نظام سے اِسی قسم کی توقع رکھنی چاہیئے؟

**

ٹنڈو الہ یار

اس نے فریاد پہنچانے کے لئے آتش زنی اور تخریب کاری کی

کامل سمعون

پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر بھٹو کی حمایت میں ملک کے متعدد شہروں اور دیہاتوں میں احتجاجی مظاہرے کیے گئے جلوس نکالے گئے اور بہت سے مقامات پر توڑ پھوڑ کی کارروائیاں بھی ہوئیں۔ ریلوے لائنوں کو نقصان پہنچانے کی کوششیں بھی کی گئیں۔ مگر خوش قسمتی سے ٹرینیں بڑے حادثات کے شکار ہونے سے بال بال بچتی رہیں۔ ٹنڈو الہ یار میں بھی ایسی ہی کچھ کارروائیاں ہوئیں۔ کامارو شریف سلطان آباد اور جبنڑاڈ کے قریب ریلوے لائنوں کو نقصان پہنچایا گیا سلطان آباد کالونی کے ریلوے اسٹیشن کی انتظار گاہ کو آگ لگا کر تباہ کر دیا گیا۔ اسی روز اس اسٹیشن کے قریب ریلوے کی فش پلیٹوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ ریلوے سگنلوں کی دس لال اور سبز بتیاں بھی چرائی گئیں ان تخریبی کارروائیوں کی وجہ سے سول اور فوجی حکام حرکت میں آگئے اس وقت ان تمام سرکاری افسران کو یہ پختہ یقین تھا کہ یہ تخریبی کارروائیاں پیپلز پارٹی کے حامی کر رہے ہیں۔ اسی شبہ کی بنا پر ان افسران نے شہر اور دیہاتوں سے پیپلز پارٹی کے کئی حامیوں کو اپنی حراست میں لے لیا تھا

۷، اپریل ۷۸ء کو دیہہ ملغار میں سابق وزیر مواصلات مسٹر ممتاز علی بھٹو کے بڑے بھائی مسٹر مشتاق علی بھٹو کی زمین پر پڑی ہوئی گندم کے ذخیرے کو آگ لگا کر راکھ کر دیا اس واردات میں تقریباً ۷ ہزار روپے کی گندم تباہ ہو گئی۔

آتشزدگی کی اس واردات کے بعد پولیس نے گوٹھ ساون خان ببر سے اسماعیل ببر نامی ایک شخص کو اپنی حراست میں لے لیا، یہ شخص ایک غریب موٹر ڈرائیور ہے گرفتاری کے بعد اُس نے پولیس کو بتایا کہ میں کوئی سیاسی آدمی نہیں ہوں اور نہ ہی کسی سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتا ہوں میں نے نہ صرف گزشتہ دنوں مسٹر مشتاق علی بھٹو کے گندم کے ذخیرے کو جلا کر خاک کر دیا۔ بلکہ میں نے گزشتہ دنوں ریلوے لائنوں پر بھی تخریبی کارروائیاں کی ہیں۔ ملزم نے کہا کہ میں ریلوے لائن پر پانچ وارداتیں کر چکا ہوں۔ میں نے سلطان آباد کالونی کی انتظار گاہ کو نذر آتش کر دیا۔ ریلوے لائنوں کی فش پلیٹیں جلائیں ریلوے لائنوں کے بولٹ کھولے۔ اور ریلوے کے سگنلوں سے دس بتیاں بھی چرائی ہیں۔" ملزم کی نشاندہی پر پولیس نے دس مسروقہ بتیاں بھی برآمد کر لی ہیں ملزم اسماعیل ببر نے پولیس سے کہا کہ آپ مارشل لاء حکام کے سامنے مجھے لے چلیں۔ میں انہیں اپنے حالات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ دوسرے دن یعنی ۱۹، اپریل کو پولیس نے ملزم اسماعیل ببر کو ایس ڈی ایم ٹنڈو اللہ یار مسٹر لاشاری کی عدالت میں پیش کیا۔ ملزم نے ایس ڈی ایم کو ۱۶۴ کے تحت اپنا بیان قلمبند کراتے ہوئے کہا کہ "میں ٹنڈو جام زرعی فارم میں ڈرائیور کی حیثیت سے ملازم تھا مگر افسران نے مجھے کچھ عرصہ پیشتر بلا کسی سبب کے ملازمت سے برطرف کر کے بے روزگار کر دیا۔ میں ایک غیرت مند غریب آدمی ہوں ملازمت سے برطرفی کے بعد میری فریاد کسی نے نہ سنی میں بہت ہی مظلوم آدمی ہوں" ملزم نے اعتراف کیا کہ میں نے تخریبی کارروائیاں کی ہیں کچھ عرصہ پیشتر مجھے یہ خیال آیا کہ میں تخریبی کارروائیاں کر کے مارشل لاء حکام کی توجہ اپنی طرف مبذول کراؤں اور افسران کی طرف سے جو بے انصافیاں کی گئی ہیں ان تمام حالات سے مارشل لاء حکام کو آگاہ کردوں۔ اس نے بتایا کہ میں ہر مرتبہ واردات کے بعد وہاں پر ایک خط میں اپنا نام اور پتہ چھوڑ دیا کرتا تھا۔ مگر افسوس کہ ریلوے کا نا اہل عملہ مجھے گرفتار نہیں کرا سکا۔" ملزم نے کہا کہ میں اپنی گرفتاری سے خائف نہیں ہوں۔ بلکہ مجھے یہ خوشی ہوئی ہے کہ میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ اب میں اپنی فریاد مارشل لاء حکام کو پیش کروں گا۔

ایس ڈی ایم کو بیان دینے کے بعد ملزم نے عدالت کے برآمدے میں صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ از راہ کرم مارشل لاء حکام کی توجہ میری طرف مبذول کرائیں۔

نواب شاہ محمد نواز خلجی

جنرل ضیا کو یہ نہیں بتایا گیا ہو گا کہ ---

نواب شاہ سندھ کا ایک ایسا شہر ہے جس میں دلوں کو مجروح اور نگاہوں کو بینائی سے محروم کرنے والے مسائل سینہ تانے ہر شہری کا تعاقب کرتے ہیں۔ اسے پکڑتے اور دم نکلنے تک گلا دبائے رہتے ہیں۔ یہاں کے شہری اپنی جرأت، حوصلے اور طاقت کے مطابق ارباب حل وعقد سے فریاد کرنے، احتجاج کرنے اور اپنی ہی صداؤں کی بازگشت سننے کے اب عادی ہوتے جا رہے ہیں۔

ابھی گذشتہ دنوں جنرل ضیاؔ نے بھی نواب شاہ کا دورہ کیا۔ اور نوکر شاہی نے ان سے ایسے لوگوں کی ملاقاتیں کرائیں جو مسائل کے بوجھ سے پہلے ہی بے نیاز تھے اور ہمیں یقین ہے کہ جنرل ضیا کو یہ نہیں بتایا گیا ہوگا کہ نواب شاہ شہر کا سب سے بڑا مسئلہ شہر کے دونوں حصّوں کو ملانے کے لئے ریلوے لائن پہ بالائی پل کی تعمیر ہے۔ جو دورِ ایوبی سے سول انتظامیہ کے دفتروں میں سُرخ فیتے میں لپٹا پڑا ہوا ہے۔ سابقہ حکومت کے دوران اس مسئلے کے حل ہونے کی کچھ توقع ہوتی تھی۔ اس وقت کے وزیر مواصلات جناب غلام مصطفےٰ جتوئی کے حکم پر بالائی پل کی تعمیر کے لئے تخمینہ وغیرہ لگوایا گیا اور نقشوں وغیرہ کا کام مکمل کیا گیا لیکن مرکزی سطح پر اس پل کی تعمیر کو غیر ضروری قرار دے کر اس کی تعمیر کو التوا میں ڈال دیا گیا۔

نواب شاہ شہر کا دوسرا مسئلہ ٹیلی فون ایکس چینج کا ہے۔ دورِ ایوبی میں نواب شاہ شہر کے لئے جو خودکار مشینری منگوائی گئی تھی وہ نہ جانے کن وجوہات کی بنا پر کسی اور شہر بھیج دی گئی۔ اس کے بدلے میں جو مشینری یہاں نصب کی گئی اُس کا حال یہ ہے کہ اوّل تو ڈائل ٹون ہی نہیں ملتی۔ اگر ٹون مل جائے تو مطلوبہ نمبر نہیں ملتا کیونکہ مطلوبہ نمبر سے پہلے دو تین بار رانگ نمبر ملنا نواب شاہ ایکس چینج کی اپنی انفرادی خصوصیت بن چکی ہے اور پھر لائن پر آپ کا مطلوبہ نمبر کا فرد ہی نہیں دو چار اور بھی باتیں کر رہے ہوں گے اس طرح نواب شاہ ٹیلی فون ایکس چینج عجوبۂ روزگار بن کر رہ گیا ہے۔ دوسرے غلط نمبر ملنے کے باعث صارفین کو ناکردہ کالوں کی مد میں تگنے چوگنے پیسے بطور جرمانہ الگ ادا کرنے پڑتے ہیں۔ صارفین کا قصور محض اتنا ہے کہ وہ نواب شاہ میں رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں محکمہ ٹیلی فون کے حکام سے شکایت کرو تو جواب ملتا ہے کیا کیا کریں اسپیئر پارٹس نہیں ملتے اس لئے سوئچ روم میں خرابی پیدا ہو گئی ہے۔ اب خدا ہی جانے کہ نواب شاہ کے لوگوں کی قسمت کی یہ خرابی کب دور ہوگی۔

تیسرا مسئلہ نواب شاہ کے محلہ غریب آباد اور سانگھڑ روڈ پر واقع گندے پانی کے جھیل نما وہ کھڈے ہیں۔ جو گرد و نواح میں رہنے والوں کے لئے عذاب سے کم نہیں۔ ان علاقوں میں رہنے والوں کے لئے بدبو، مچھر، مکھی اور جلدی بیماریاں ان کا مقدر بن چکی ہیں سیم کے باعث مکان مخدوش ہو گئے ہیں بارش کے دنوں میں جب یہ گڑھے پانی سے بھر جاتے ہیں تو ان کا پانی اُبل کر گھروں میں داخل ہو جاتا ہے۔

چوتھا مسئلہ ریلوے کا ہے۔ نواب شاہ ریلوے اسٹیشن پہ لاکھوں روپیہ خرچ کر کے سابقہ حکومت نے جدید طرز کی عمارت تعمیر کرائی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اسے استعمال میں نہیں لایا جاتا۔ دوسری طرف کچھ گاڑیوں کے اسٹاپ تو سابقہ حکومت نے ختم کر دیئے تھے باقی رہی سہی کسر اب پوری ہو گئی یعنی تیز رفتار گاڑیوں میں عوامی ایکسپریس کا نواب شاہ اسٹاپ بھی اپریل کی ۱۵ تاریخ سے ختم کر دیا گیا گویا پنجاب جانے کے لئے نواب شاہ ضلع کے لوگوں کے تمام راستے بند کر دیئے گئے کیونکہ رات کے وقت کسی گاڑی میں دروازہ کھلوا لینا جنت کا دروازہ کھلوانے سے کم نہیں۔ اس طرح بغیر ٹکٹ ریلوے پولیس کے زیر سایہ سفر کرنے کی ہمت افزائی کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ نواب شاہ ریلوے اسٹیشن سے نواب شاہ ضلع کے دس لاکھ اور سانگھڑ ضلع کے چھ لاکھ افراد استفادہ حاصل کرتے ہیں۔ اب یہ مطالبہ کس سے کیا جائے کہ نواب شاہ کے شہریوں کے لئے عوامی ایکسپریس، تیز گام، سُپر ایکسپریس اور تیز رو کے اسٹاپ دوبارہ بحال کئے جائیں۔ تاکہ لوگوں کو لمبے سفر کے لئے سہولت میسر آسکے۔ اس کے علاوہ جو ریل کاریں بند کی گئی ہیں انہیں دوبارہ چلایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ اندرون ضلع برانچ ریلوے لائنوں پہ پتھر بچھایا جائے کیوں کہ ان گاڑیوں میں سفر کرنے والا منزل پہ پہنچنے کے بعد مشکل سے پہچانا جاتا ہے۔

پانچواں مسئلہ نواب شاہ شہر میں گندے پانی کی نکاسی کا ہے نواب شاہ شہر میں گندے پانی کی جو نالیاں تعمیر کی گئی ہیں وہ اس قدر ناقص ہیں کہ پانی واپس گھروں میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور پھر زمین دوز بچھائی جانے والی پائپ لائن بھی ناقص ہے جو آئے دن کہیں نہ کہیں سے پھٹ جاتی ہے اور گندا پانی گلی کوچوں میں بہنا شروع ہو جاتا ہے جب کہ شہر کے بہت سے علاقے تو سرے سے ہی نکاسیٔ آب کے نظام سے محروم ہیں۔

چھٹا مسئلہ سیم و تھور کا ہے جس پر قابو پانے کے لئے اسکارپ اسکیم کے تحت کام شروع کیا گیا تھا مگر اب وہ بھی معقول فنڈز کی کمی کے باعث ناکام ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ جس کے باعث نواب شاہ ضلع کی زرخیز زمین کی تباہی کا خدشہ لاحق ہے لہٰذا اسکارپ اسکیم کو موثر بنانے کے لئے اس پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ ہمیں امید ہے جنرل صاحب متذکرہ بالا مسائل پہ توجہ دینے کی ضرورت محسوس کریں گے کیونکہ ان مسائل کا تعلق عوام سے ہے۔ جنرل صاحب یہی مسائل معلوم کرنے نواب شاہ تشریف لاتے تھے مگر ہمارے عوامی نمائندے انہیں ان مسائل کے بارے میں نہ بتا سکے جب کہ ہم اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔ اسی امید کے ساتھ کہ جنرل صاحب بھی ان مسائل کے سلسلے میں اپنا فرض ادا کریں گے۔

یہ ہیں وہ مسائل جن سے چھٹکارا پانے کی خواہش یہاں کے ہر شہری کے دل میں ایک آگ کی طرح سُلگ رہی ہے اگر ان مسائل پہ توجہ دینے سے روایتی غفلت برتی گئی تو پھر کیا صورت بنے گی۔ اس کا اندازہ لگانا یا اس سلسلے میں کسی قسم کی پیشن گوئی کرنا ہمارے فرائض اور مسلک سے دُور ہے ورنہ ہم کچھ نہ کچھ تو کہہ ہی دیتے۔

سندھ کی سرکوبی اور سرحد کے سرمایہ داروں کو خوش رکھنے کی حکمتِ عملی

بنگال کے المناک واقعات سے ہی سبق سیکھ لو

جدوجہد میں بھرپور حصہ لیں گے، دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوں گے

افراسیاب خٹک
جنرل سیکرٹری نیشنل پروگریسو پارٹی

پاکستان میں آج ایک بار پھر فاشزم کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ محنت کش عوام کو آمریت کے شکنجوں میں کسا جا رہا ہے۔ ہر وطن پرست کی آنکھوں کے لئے یہ ایک کربناک منظر ہے۔ لیکن صرف غم و غصے کے اظہار پر اکتفا کرنا کافی نہیں ہے۔ بلکہ امریکی سامراج اور پاکستان کے حکمران طبقات کی ملی بھگت سے شروع کئے گئے کھیل کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس سے ان کے پرانے جاگیرداری اور سامراج کی حلقہ بگوش سرمایہ داری نظام کو قائم رکھنے کی خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ استحصال کے شکنجوں میں مچلتے ہوئے عوام کو قابو میں رکھنے کی خواہش ظاہر ہوتی ہے۔ محکوم طبقات اور محکوم قومیتوں کو غلام رکھنے کی نیت جھلکتی ہے۔

آج بات مزدوروں، کسانوں، طالب علموں، دانشوروں اور مظلوم قومیتوں کے مطالبات کے خلاف پابندی کے ضابطوں سے گذر کر ننگے تشدد کی حدود میں داخل ہو چکی ہے۔ کوڑے مارنے اور جیل بھیجنے کے بعد کھلے عام پھانسیوں کا دور شروع ہو رہا ہے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ نواب محمد احمد خان کے قتل کے سلسلے میں انصاف کو اس کے منطقی حدود تک پہنچانے کی خواہش سے سرشار حکمران بلوچستان میں چار سالہ فوجی آپریشن، دیر میں سینکڑوں لوگوں کے قتل اور کراچی میں مزدوروں کے قتل عام کے واقعات کو احتساب کے قابل معاملے سمجھتے ہی نہیں ہیں اور اب تو موجودہ حکومت کے دور میں ملتان فائرنگ ہشت نگر میں بے دخلیوں اور پٹ فیڈر اور خضدار کے واقعات حکمران طبقات کے انصاف کے تصور کو ایک ڈھونگ ثابت کرتے ہیں۔ چاہے اس کا نام اسلامی انصاف ہی کیوں نہ رکھ دیا جائے۔

سیاسی میدان میں پی این اے کے سورماؤں کے پٹ جانے کے بعد حکمران طبقے اپنے ادنیٰ مخبر کوثر نیازی کو پھونک دے کر بڑا بنانا چاہتے ہیں۔ اور اس نے بھی ایک اچھے لاؤڈ سپیکر کی طرح اپنے آقاؤں کی آواز پر چیخنا شروع کر دیا ہے۔ اس نے قومی حکومت کے بدنام منصوبے کے علاوہ وحدانی نظام اور صدارتی نظام جیسے عوام دشمن منصوبے کی بات کی ہے۔ جو حکمران طبقے عوام پر مسلط کر دینا چاہتے ہیں۔ یہاں دیکھنا یہ ہے۔ کہ بنگال کے المناک واقعات سے کوئی سبق نہیں سیکھا گیا۔ صوبائی خودمختاری اور سماجی انصاف کے حصول کے لئے بلوچستان کی عظیم جدوجہد کے بارے میں فرض کر لیا گیا ہے۔ کہ گویا سرے سے اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ سندھ کی سرکوبی کر کے اور سرحد کے سرمایہ داروں کو راضی کر کے کام چلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سامراج کی حکمت عملی یہ نظر آتی ہے کہ اگر فرسودہ نظام کو ایک مملکت کے اندر چلانے میں ناکامی ہو، تو ملک کو ٹکڑیوں میں بانٹنے کا متبادل کھلا رکھے۔ ہم ملک کے کروڑوں عوام کو مٹھی بھر سامراجی گماشتوں کی سازش سے خبردار کرتے ہیں۔ جو فرسودہ اقتصادی ڈھانچے کو قائم رکھنے کے لئے ملک کو توڑنے سے نہیں ہچکچائیں گے۔

ایک طرف اگر حکمرانوں نے عوام کے ہر قسم کے استحقاق کو مسترد کر کے خود کو اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہونے کا اعلان کیا ہے۔ تو دوسری طرف ایک جنگ پسند جنونی جماعت کے سربراہ مولانا مودودی کو مفکرِ اسلام کہہ کر ریڈیو پر خطاب کرنے کے لئے بلایا گیا۔ حالانکہ ان کے مذہبی نظریات متنازعہ حیثیت رکھتے ہیں۔ حکمرانوں کے گرجنے کے بعد اُن کا دھاڑنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی پوپ کسی رچرڈ کی مدد کے لئے آیا ہو۔ لیکن ایسا منصوبہ بنانے والے لوگوں سے غلطی یہ ہوتی ہے کہ انہوں نے کیلنڈر پر نظر نہیں ڈالی۔ ورنہ انہیں اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ بیسویں صدی کی آخری چوتھائی شروع ہو چکی ہے۔ اور خود کو خدا کا شیر کہنے والے ایتھوپیا کے شہنشاہ ہیل سلاسی کو تاریخ ایک مسخرے کی حیثیت دے کر رخصت کر چکی ہے۔

پاکستان کے مزدور، کسان، طلبا، دانشور اور تمام محبِ وطن افراد اس ملک کو بیسویں صدی کی انسانی تہذیب میں شامل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں وہ اس ملک کو قرونِ وسطیٰ کے اندر منجمد کرنے اور اس کو دنیا کا عجائب گھر بنانے کی کوششیں ناکام بنا دیں گے۔ محکوم طبقات اور محکوم قومیتوں کے عوام ایک فیصلہ کن جدوجہد کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ بایاں بازو عوام کی جدوجہد میں بھرپور کردار ادا کرے گا۔ اور دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہوگا۔ خارجہ پالیسی کے ضمن میں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ ملک کو مکمل طور پر امریکی سامراج اور علاقائی سامراج کے تابع مہمل بنایا جا رہا ہے۔ سات کروڑ جفاکش انسانوں کے ملک کو گداگروں کا ملک بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ مشرقِ وسطیٰ میں سامراجی سازشوں کی طرفداری کی جا رہی ہے۔ اور افریقہ میں سامراج کی حکمت عملی میں حصہ لیا جا رہا ہے۔ سینٹو کے حالیہ اجلاس میں وزارت خارجہ کے سیکرٹری آغا شاہی نے روس اور کیوبا کی طرف سے حریت پسند افریقیوں کی مدد کرنے پر امریکی وزیر خارجہ سائرس وانس کے مذمتی الفاظ کی جس من و عن طریقے سے تائید کی ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ سامراج اور اس کے مقامی گماشتے سمجھتے ہیں کہ جیسے اندرونی مسائل میں الجھے ہوئے پاکستانی عوام اپنے بین الاقوامی فرائض سے غافل ہیں۔ لیکن یہ ان کی شدید غلط فہمی ہے۔ وہ اس معاملے میں بھی عوام کے غیض و غضب سے نہیں بچ سکیں گے۔

ہم اس مرحلے پر ایک وسیع تر جمہوری محاذ کے قیام کی ضرورت پر زور دیتے ہیں۔ جو سامراج کے غلبے فاشزم اور جاگیرداری اور سرمایہ داری کے خلاف پاکستان کے عوام کی جدوجہد کی رہنمائی کر سکے۔

قومی حکومت کا "نیشنل" بیٹھ جائے گا اور...

قومی حکومت کے لئے بات چیت چل رہی تھی تو ایک طرف سے اس کی تشکیل کے بارے میں بہت ہی آسان اور دلچسپ تجویز آئی۔ تجویز دینے والے تحریک استقلال کے سیکرٹری جنرل مسٹر مشیر احمد پیش امام ہیں۔ انہوں نے ایک نجی ملاقات میں کہا "یار اگر قومی حکومت بنانے میں تکلیف درپیش ہو رہی ہے تو کیوں نہ اس کے لئے "میوزیکل چیئر" کے فارمولے پر عمل کیا جائے۔ دھن بند ہوتے ہی جو لوگ کرسیوں پر بیٹھ جائیں ان کو قومی حکومت میں شامل کر لیا جائے اور جو بیٹھ نہ سکیں وہ قومی حکومت کو دور سے ہی دیکھتے رہیں"۔ پیش امام صاحب نے مزید فقرہ چست کیا۔ "مگر یار اس میں خطرہ اس بات کا بھی ہے کہ کوئی کانسٹیبل پہلے کرسی پر بیٹھ جائے گا جب کہ مفتی رہ جائے گا۔"

کراچی یونیورسٹی سینٹ کے انتخابات

——— نمائندہ الفتح ———

رجسٹرڈ گریجویٹس کے حلقے سے جامعہ کراچی کی سینٹ کے انتخابات ۳ سال بعد منعقد ہو رہے ہیں جامعہ کراچی کے قیام کو تقریباً ۲۷ سال کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن اب تک صرف بارہ سو ۱۹ گریجویٹس نے جامعہ میں اپنا رجسٹریشن کرلیا ہے یہ بارہ سو انیس گریجویٹس یکم مئی کو جامعہ کی سینٹ کے اراکین کے انتخابات کے لیے اپنا حق رائے دہی استعمال کریں گے۔

جامعہ کراچی کی گزشتہ سینٹ نے اپنے فرائض اس تندہی اور سرگرمی سے انجام نہیں دیئے جس کی توقع کی جاتی تھی جس کے باعث اب جامعہ کی سینٹ کو ایک بے عمل ادارہ تصور کیا جانے لگا ہے اس کی وجہ ہمارے خیال میں سینٹ میں حوصلہ مند اور نوجوان حضرات کی عدم موجودگی تھی۔ اگرچہ گزشتہ سینٹ کے اراکین بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور صاحب فہم و شعور تھے تاہم ان میں نوجوانی کی گرمجوشی اور حوصلہ مندی کا فقدان تھا جس کی اہمیت اور ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مندرجہ بالا امور کے سبب سینٹ کے حالیہ الیکشن اپنی نوعیت کے اعتبار سے خاص اہمیت اختیار کر چکے ہیں سینٹ کی ناقص کارکردگی اور بے عملی کی وجہ سے رجسٹرڈ گریجویٹس کی نشست پر گزشتہ بار منتخب ہونے والے دونوں اراکین جناب صلاح الدین اور جناب جنید فاروقی اس الیکشن میں حصہ نہیں لے رہے ہیں تاہم گزشتہ الیکشن میں ان سے شکست کھانے والے امیدوار جناب یوسف بلوچ ایک مرتبہ پھر قومی سیاست چھوڑ کر جامعہ کی سینٹ کے امیدوار ہیں۔ سید محمد آغا ایم اے ایل ایل بی اس سلسلہ میں دو ماہ قبل

سید محمد آغا

ہی سے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر چکے ہیں اور اس دفعہ انہوں نے شاید اسی مقصد کے لیے کثیر تعداد میں اپنے دوستوں ہمدردوں اور ہم خیال لوگوں کا رجسٹریشن کروایا ہے سید محمد آغا اگرچہ اس میدان میں نووارد ہیں تاہم انہوں نے حالیہ الیکشن کو نہ صرف دلچسپ بلکہ کافی سخت بھی بنا دیا ہے۔

بقیہ: احتساب

مفتی محمود اور ان کے کچھ رفقاء کے خلاف تحقیقات کی گئی تھی اور اس کی رپورٹ تیار کر کے فوجی حکام کے حوالے بھی کر دی گئی تھی۔ جس کی بھنک مفتی محمود کو پڑ گئی۔ چنانچہ وہ سیدھے اسلام آباد پہنچے، اور اپنی گردن "احتساب" کے پھندے سے نکالنے میں کامیاب ہوئے۔ بہت ممکن ہے، مولانا کوثر نیازی کے ذریعہ مفتی محمود کو "فائل" کو حرکت میں لانے کی دھمکی دے کر بلیک میل کیا جا رہا ہے، اس میں کچھ صداقت بھی نظر آتی ہے کیونکہ مفتی محمود جیسے رہنما سے یہ توقع ہرگز نہیں کی جا سکتی ہے کہ وہ اقتدار اور تعاون کے جوش میں اپنی ماضی اور روایات پر لات مار دیں گے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مفتی محمود مولانا کوثر نیازی اور ان کے سرپرستوں کی دھمکی کا جواب کس موڈ میں دیتے ہیں۔

پچھلے مضمون "قومی حکومت اور ڈوبتی کشتی" میں مسلم لیگ پگارا کی دھڑے بندی کی نشاندہی کی گئی تھی، جس میں بتایا گیا تھا کہ مسلم لیگ واضح طور پر تین دھڑوں میں منقسم ہو چکی ہے۔ پگارا اور چودھری ظہور الٰہی گروپ، دوسرا ملک قاسم، خواجہ صفدر، محمد حسین چٹھہ، اور تیسرا گروپ خواجہ خیر الدین اور ان کے کراچی کے ساتھیوں پر مشتمل ہے۔

ان دھڑوں میں صرف پیر پگارا اور ظہور الٰہی قومی حکومت کے قیام اور اس میں شمولیت میں پیش پیش ہیں باقی دھڑے قومی حکومت کے قیام کی مخالفت کر رہے ہیں ان کا کہنا ہے کہ الیکشن کی تاریخ مقرر کی جائے سیاسی سرگرمیاں بحال کی جائیں اور انتخابات کرانے کے بعد اقتدار منتخب نمائندوں کو منتقل کر دیا جائے۔ ایسے ہی دھڑے کے قریبی ذرائع کا کہنا ہے کہ پیپلز پارٹی کے مظالم کی سزا قوم کو جمہوریت سے محروم کر کے نہ دی جائے۔ حالات کے بگڑنے کی تمام تر ذمہ داری ان لوگوں پر ہوگی جو قوم کو نمائندہ حکومت دینے کی بجائے غیر نمائندہ قومی حکومت کا "تحفہ" دینے کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ مسلم لیگ کی تباہی میں ایسے ہی افراد کا ہاتھ رہا ہے۔ اور وہ ہاتھ ایک بار پھر ایسی مذموم سرگرمیوں میں مصروف ہیں جس سے ملک و قوم پر دوبارہ تباہی نازل ہو۔"

ادھر پیر پگارا اور چودھری ظہور الٰہی کے درمیان بھی ٹھن گئی ہے، اور ان کے درمیان مفاہمت، خاموش مخالفت میں تبدیل ہو گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب ان سے کہا گیا کہ وہ مسلم لیگ کی جانب سے قومی حکومت میں شامل ہونے والے رہنماؤں کا نام پیش کریں تو انہوں نے چودھری ظہور الٰہی کا پتا کاٹ کر اپنا، اپنے سالے حسن محمود اور ایس ایم ظفر کا نام دے دیا۔ یہ خبر جب ظہور الٰہی تک پہنچی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے، اور چلا کر کہا کہ۔ "پیر کیا سمجھتا ہے دیکھوں گا، حسن محمود اور ایس ایم ظفر کس طرح شامل ہوتے ہیں۔ پیر سے زیادہ مالدار آدمی ہوں۔"

اس واقعہ کے دوسرے دن ظہور الٰہی نے لاہور میں کوثر نیازی سے تقریباً تین گھنٹے ملاقات کی۔ بعد میں بتایا کہ "قومی حکومت میں مولانا کوثر نیازی کا شامل ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر مجوزہ قومی حکومت میں "لبرل گروپ" کی شمولیت کی زیادہ مخالفت کی گئی تو مسلم لیگ تنہا لبرل گروپ کے ساتھ مل کر قومی حکومت بنانے پر تیار رہے گی۔" سیاسی مبصرین مولانا کوثر نیازی اور ظہور الٰہی کی ملاقات اور اعلان کو بڑی اہمیت دے رہے ہیں۔ یہ امکان بھی ظاہر کیا جا رہا ہے کہ اگر مسلم لیگ میں ظہور الٰہی کے مخالف دھڑوں کا زیادہ پریشر بڑھا تو ظہور الٰہی مسلم لیگ کو داغِ مفارقت دے جائیں گے۔ اور مولانا کوثر نیازی کے ساتھ مل کر کوئی دوسری پارٹی بنائیں گے۔

قومی حکومت کے قیام کے سلسلے میں اس ہفتہ کا سب سے اہم واقعہ این ڈی پی کا غیر مبہم اور ٹھوس موقف ہے کہ وہ اس قسم کی کسی تجویز میں شامل نہ ہو گی جو غیر جمہوری اور عوام کے مفادات کے برعکس ہو گی۔ اس ضمن میں ایک صاحب نے بڑا اچھا ریمارک دیا کہ "این ڈی پی کے اسٹینڈ سے پہلی بار احساس ہوا کہ اب بھی کوئی پارٹی سیاسی فیصلے کر سکتی ہے۔"

اس سلسلے میں جب این ڈی پی کے ایک رہنما سے بات چیت ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہماری پارٹی نے بہت غور و فکر کے بعد یہ اہم فیصلہ کیا ہے اور ہر قسم کے نتائج کا سامنا کرنے پر تیار ہے۔ وہ کسی کی دھونس اور دھمکی سے مرعوب نہ ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ این ڈی پی قومی اتحاد میں غیر مشروط طور پر شامل نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس اصول کی بنیاد پر شمولیت اختیار کی گئی تھی کہ ایشو ٹو ایشو حمایت اور ایشو ٹو ایشو مخالفت کرے گی۔ وہ ہر مسئلہ پر ایک واضح موقف رکھتی ہے اور اسی کی روشنی میں اتحاد کے فیصلہ کی تائید یا تردید کرنے کا حق محفوظ رکھے گی۔ قومی حکومت ایک سیاسی مسئلہ ہے، جس کا براہِ راست تعلق پارٹی کے اصول اور عوام کے مفادات سے ہے۔ پارٹی نے اسی اصول پر قومی حکومت کے مسئلہ کو پرکھا ہے کہ آیا اس قسم کی حکومت میں شرکت جمہوری ہے یا نہیں۔ ہمارے نزدیک قومی حکومت کا قیام ایک غیر جمہوری اقدام ہو گا۔ عوام انتخابات کے ذریعہ ایک نمائندہ حکومت کے خواہش مند ہیں، نہ کہ غیر نمائندہ قومی حکومت کے۔ ہماری پارٹی جمہوریت کی بحالی کے سلسلے میں عوام کے سامنے جواب دہ ہے یہی وجہ ہے کہ پارٹی کے نمائندے الیکشن سیل کی گفت و شنید میں شریک نہیں ہوتے۔"

"قومی حکومت ایک فریب، ایک پردہ ہے۔ جس کا مقصد عوام کو ان کی اصل منزل سے دور لے جانا ہے اور این ڈی پی کسی ایسے کھیل میں ہرگز پارٹی نہ بنے گی جو ملک کے مفادات اور قوم کی امنگوں اور تصورات کے خلاف ہو۔"

بقیہ : پی ایف یو جے

کا آغاز بھوک ہڑتال سے کیا جائے گا۔ ۲۴ اپریل تک کی صورتِ حال یہ رہی ہے کہ پی ایف یو جے اور اپنک کی قیادت میں ایکشن کمیٹی کے متعدد اجلاس ہوتے، اس دوران مرکزی اطلاعات و نشریات کی طرف سے مذاکرات کی دعوت دی گئی۔ اگر مذاکرات کامیاب نہ ہوئے تو جب یہ سطور آپ تک پہنچیں گی اس وقت لاہور میں بھوک ہڑتال شروع ہو چکی ہو گی۔

کراچی اور سندھ کے دیگر شہروں سے بھوک ہڑتالیوں کے متعدد دستے روانہ ہو چکے ہیں۔ اگر قیادت نے فیصلہ کیا تو آئندہ کے دستوں میں پریس کارکنوں کے ساتھ محنت کشوں اور طلبا کے رضاکار بھی شامل ہوں گے۔ اس طرح پی ایف یو جے اور اپنک نے سماج کے دوسرے محنت کش طبقات کے ساتھ مل کر جو عظیم جدوجہد کی ابتدا کی ہے اس کی کامیابی پر پوری صنعت کو کامل یقین ہے۔

بقیہ : اسلام آباد

ذوالفقار علی بھٹو کو سیاسی منظر سے غائب کیا جا سکتا ہے آپ کے بیانات میں اسی لئے زہر گھلا ہوا ہے آپ کے بیانات جہاں سے آپ کو ملتے ہیں ان ذرائع کا بھی علم ہے آج کل آپ جس طرح اپنے ذاتی اخبار حیات کے ذریعے مسٹر بھٹو اور ان کے اہل خاندان کی کردار کشی میں مصروف ہیں اور جس طرح روزانہ دلچسپ لیکر خبریں لگواتے ہیں وہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ حیات کے دفتر میں راولپنڈی میں مقیم جسارت کے نمائندے جس طرح رات کو بیٹھ کر کام کرتے ہیں اور جس طرح وہ اپنے اخبار سے آپ کو اور آپ کے اخبار سے اپنے اخبار کو خبریں دے دیتے ہیں وہ بھی کوئی راز کی بات نہیں ہے اور اس کی جو قیمت آپ وصول کر رہے ہیں وہ بھی راز نہیں ہے

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق سعودی عرب کے دورے سے واپس تشریف لے آئے ہیں سعودی عرب جانے سے قبل وہ سخت بے چین تھے کہ قومی حکومت تشکیل پا جائے واپسی میں ان کی بے چینی میں کافی کمی ہے آتے ہی ارشاد ہوا تجاویز پر غور کیا جا سکتا ہے کوئی جلدی کی بات نہیں ہے جنرل صاحب کو اخبار نویسوں سے بہت شکایت ہے کہ وہ تیار ہو کر سوال نہیں کرتے۔ اخبار نویسوں کو جنرل صاحب سے شکایت ہے کہ وہ تیار ہو کر پریس سے مخاطب نہیں ہوتے انہوں نے سعودی عرب سے واپسی پر بیان دیتے ہوئے کہا میرا دورہ میری توقعات سے زیادہ کامیاب ہوا ہے۔ ایک بہت سینئر اخبار نویس نے پوچھا آپ کیا توقعات لے کر گئے تھے جواب میں ارشاد فرمایا گیا دو ٹکے کا سوال پوچھا ہے ہم بعد ادب دریافت کرتے ہیں کہ آپ کے اس ارشاد پر اس کے سوا اور کیا سوال ہو سکتا ہے ذرا ہمیں بھی بتا دیں کہ ہم مبتدی ہیں۔

جنرل ضیاء الحق صاحب نے ساری پریس کانفرنس اردو میں کی صرف سعودی عرب کے رہنما کا بیان انگریزی میں پڑھا۔ اور ایک اور بات انگریزی میں فرمائی۔ ہمیں انگریزی بہت تھوڑی آتی ہے مگر جتنی بھی آتی ہے وہ اتنی ہے کہ ہم مطلب سمجھ لیتے ہیں جنرل صاحب ہم سے زیادہ پڑھے لکھے، زیادہ تجربہ کار اور بہت اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں انہوں نے اخبار نویسوں سے کہا میں نے سعودی عرب میں ایک اہم شخصیت سے کہا۔ "SIR. IT IS VERY DIFFICULT TO MAKE LOVE THROUG AN INTERPRATOR."

سفارتی تعلقات بہت نازک ہوتے ہیں ایک ایک لفظ اس کو ادا کرتے وقت لب و لہجہ کے اتار چڑھاؤ تک پر سفارتی حلقے کڑی نظر رکھتے ہیں۔ انگریزی میں ادا کیے گئے اس فقرے کا مطلب کیا ہے ہم یہ بات جنرل صاحب سے اس لئے نہیں پوچھ سکتے کہ جنرل صاحب صرف خدا کے حضور ہی جواب دہ ہیں رہے اس کا جو مطلب تھا اخبارات نے اسے ایسا ہی رپورٹ کیا ہے۔ ہم بھی اس معاملے میں جنرل ضیاء الحق صاحب کے دل سے ہمنوا ہیں کہ الفاظ جذبات کی ترجمانی نہیں کرتے جہاں زبان ساتھ چھوڑ جائے وہاں بھی دل کا مطلب دوسرے تک پہنچ ہی جاتا ہے کہ کسی نے ایسے ہی نہیں کہہ دیا کہ "دل سے دل کو راہ ہوتی ہے"

ابوجہل
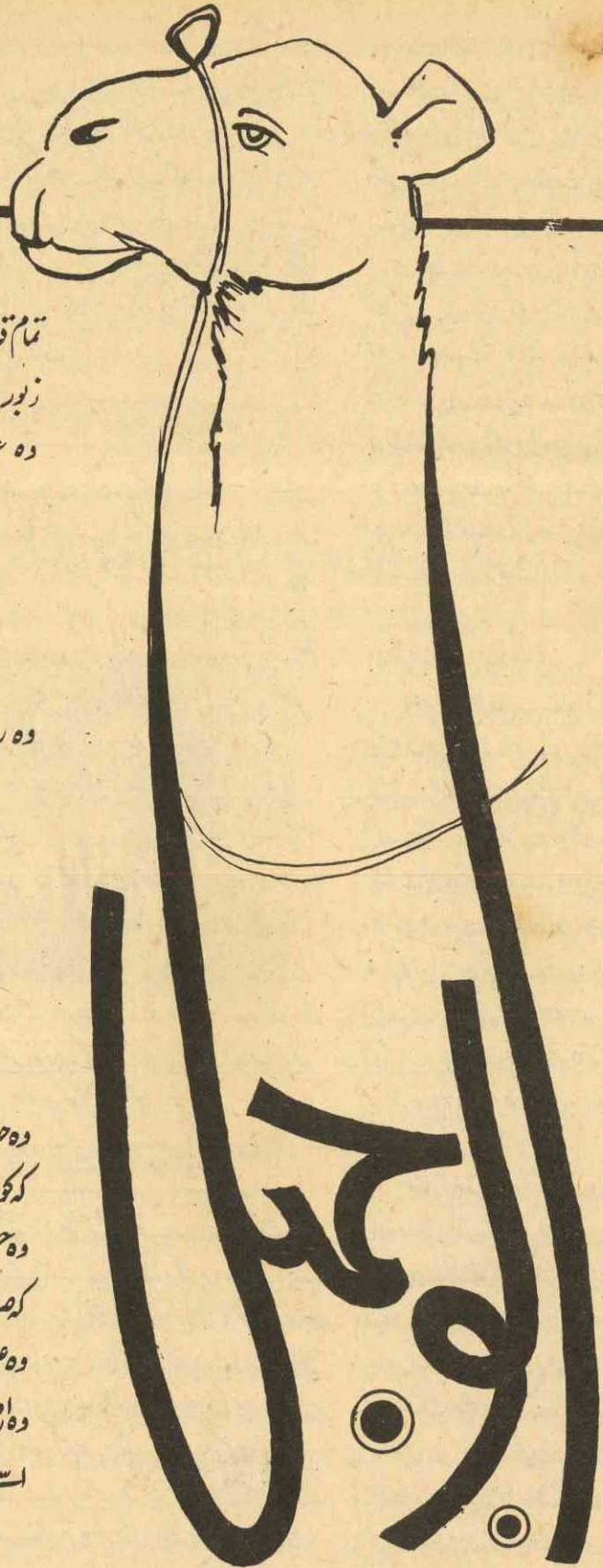
تمام قانون اس کو ازبر
زبور و توریت کا وہ ماہر
وہ عہد ناموں کی آخری قسط کا بھی عالم
وہ جانتا تھا
کہ فرد اپنی انا کے محدود دائرے میں
صداقتِ اجتماعیت کا شعور ہرگز نہ پا سکے گا

وہ روم و ایران و مصر و قرطاجنہ کی عظمت سے آشنا تھا
حکومتوں کے عروج سے بھی
(تجارتوں کے کمال سے بھی
سیاستوں کے مآل سے بھی
معاشروں کے زوال سے بھی)
صداقتوں کے خروج سے بھی

وہ جانتا تھا
کہ کوہ و صحرا میں پرورش یافتہ ہواؤں کا موسموں کا مزاج یکسر بدل چکا ہے
وہ جانتا تھا
کہ صرف سیف و سبو کے بل پر غلام و محکوم بستیوں سے وصول کردہ خراج کیا ہے؟
وہ علم الاصنام کی حقیقت سے باخبر تھا
وہ ارضِ یونان و ہند دونوں کے فلسفوں کی تہیں کھنگالے پڑے تھا لیکن
اسے یہ مطلق خبر نہیں تھی
کہ ـــ روشنی دائرہ نہیں ہے
کہ ـــ آگہی دائرہ نہیں ہے
اسے یہ مطلق خبر نہیں تھی

خالد عیگ

کہ ــــ زندگی دائرہ نہیں ہے
کہ ــــ آدمی دائرہ نہیں ہے
وہ بے خبر تھا
کہ ان سبھوں کے سفر کا آغاز، ان کا انجام
دائروں کی بجائے سیدھی لکیر میں ہے

وہ کہہ رہا تھا، میرے بھتیجے
تمہیں خدا نے پیمبری دی ــــ مجھے خوشی ہے
ہر اک پیمبر پہ برتری دی ــــ مجھے خوشی ہے
تمام عالم پہ سروری دی ــــ مجھے خوشی ہے
میرے بھتیجے! مجھے خوشی ہے
ہم اہل نجد و حجاز ممنون ہیں تمہارے

کہ تم اگر خاتم النبیین ہو تو اہل قریش و آل مضر کی عظمت بھی مستند ہے
تمہیں اگر آخر الزماں ہو ــــ تو کل عجم پر "عرب تفوق" کی یہ سند ہے

وہ کہہ رہا تھا، میرے بھتیجے
ہم اہل نجد و حجاز ممنون ہیں تمہارے
مگر خدارا ہمیں بتاؤ
وہ ذات مطلق کہ جس کا تم آج ہم میں پرچار کر رہے ہو
وہ ذات مطلق کہاں ہے ؟
وہ کون ہے ؟
وہ کیا ہے ؟

خدائے موسیٰ ؟
خدائے عیسیٰ ؟
وہ اسرائیلی خدا کہ ہم جس کو آل عمران کے روایت گروں کی تخلیق جانتے ہیں؟
وہ اسرائیلی خدا، خدائے عرب بھی ٹھہرے
یہ ہم کو منظور ہی نہیں ہے
یہ اپنا دستور ہی نہیں ہے

وہ کہہ رہا تھا کہ اے بھتیجے!
تم اس خدا میں ہم اہل نجد و حجاز و اہل قریش و آل مضر کی خاطر
ذرا سی ترمیم کیوں نہ کر لو،
عرب تفوق کے نظریہ کی ضرورتوں کا لحاظ رکھ کر
ذرا سی تحریف کیوں نہ کر لو
تم اس خدا کو
ہمارے رسم و رواج دیدو
ہمارا ہر امتیاز دیدو
ہمارا پورا مزاج دے دو
اسے "خدائے عرب" بنا دو

وہ عہد ناموں کی آخری قسط کا بھی عالم
ہر ایک قانون اس کو ازبر
زبور و توریت کا وہ ماہر
وہ کہہ رہا تھا
میرے بھتیجے! تم اس کو "خالص عرب کا خالص خدا" بنا دو

مدیران جرائد و اخبارات، پبلشر اور نامہ نگاروں کو قید اور کوڑوں کی سزا دی جا رہی ہے آزادی صرف بھٹو خاندان کو گالی دینے کی ہے ان حالات میں آپ کو بار بار کیا دپیش کرتا ہوں کہ جرمانہ کا اسکور بڑھ رہا ہے ساتھیوں کو کوڑے لگ رہے ہیں اس کے باوجود آپ حق کو حق اور باطل کو باطل لکھ رہے ہیں. بہر حال آپ کو جتنی مبارکباد دی جائے کم ہے میں آپ کا رسالہ کافی عرصہ سے پڑھتا ہوں اور ہر ہفتہ کو بڑی بے چینی سے انتظار کرتا ہوں۔

محمد شریف - کراچی.

بلوچ طلبہ کی سیٹیں

بلوچستان اور سندھ کے بلوچ طلباء کو اسکالرشپ، داخلہ اور دیگر سہولتوں سے محروم رکھا گیا ہے جس سے طلباء کئی قسم کی پریشانیوں سے دوچار ہیں اور ان کی تعلیم متاثر ہو رہی ہے بہت سے غریب طلباء جو اپنے تعلیمی اخراجات برداشت نہ کرنے کی بنا پر تعلیم چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جو سراسر ظلم و نا انصافی ہے اس کے علاوہ لیاری اور ملیر کی میڈیکل سیٹیں ختم کر دی گئی ہیں جن کی وجہ سے طلباء میں بے چینی پھیلتی جا رہی ہے اور یہاں کے بلوچ طلباء کو ایف ایس سی کرنے کے بعد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ان کو کسی بھی میڈیکل کالج میں داخلہ نہیں ملتا ہے اور طلباء مجبوراً تعلیم چھوڑ دیتے ہیں. یقیناً یہ سب کچھ ایک سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت ہو رہا ہے لہٰذا طلباء کے تمام مفادات کو مدنظر رکھ کر لیاری اور ملیر کے میڈیکل سیٹوں کو دوبارہ بحال کیا جائے اور انہیں انجینئرنگ میں بھی داخلہ دیا جائے بلوچ طلباء کو اسکالرشپ داخلہ اور دیگر تمام سہولتیں مہیا کی جائیں۔

عبداللہ بلوچ، یاسین بلوچ
بی ایس او (عوامی گروپ) کراچی.

یہود و نصاریٰ

آپ کے ہفت روزہ رسالے کا میں کافی عرصہ سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ اور سچ اور حقیقت ظاہر کرنے پر آپ واقعی مبارکباد کے مستحق ہیں اس فرعونی دور میں جس میں سامراجی طاقتیں تیسری دنیا کے غریب ملکوں پر کسی نہ کسی طرح غلبہ پا چکی ہیں اور سامراجی خرکار ان کے کام آ رہے ہیں آپ کی غازیوں والی دلیری کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہو گی. ہماری سب کی یہ عاجزانہ دعا ہو گی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس جہاد میں فتح و نصرت عطا کرے. آمین. میری عرض یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات پر جو مضمون آپ نے جلد ۸ شمارہ ۴۹ صفحہ ۷، اور ۲۵ پر شائع کیا ہے وہ خواہ کتنا ہی درست کیوں نہ ہو۔ آپ نے قرآن مجید کا ایک لفظ بھی نہیں دیا تاکہ مضمون کے شروع میں ہی سچائی سامنے آ جائے عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ تعلیم یافتہ لوگ بھی اللہ کے قانون سے نا آشنا ہیں اور بہت ضروری احکامات کو نظر انداز کر دیتے ہیں اس لئے قرآن شریف کی سورۃ اور آیات کا حوالہ ضرور دینا چاہیئے. جب آپ کو پتہ ہے کہ امریکہ اور یہودی اس گروپ کی پشت پناہی کر رہے ہیں اور ان لوگوں نے ان کافروں کو دوست بنا لیا ہے تو پھر سورۃ المائدہ ۵ آیات ۵۱ کا ریفرنس شروع میں دے دینا چاہیئے تھا تاکہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کا پردہ چاک ہو جائے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

(قرآن مجید - ۵-۵۱) اے ایمان والو تم یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بنانا "وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بے شک وہ ان ہی میں سے ہوگا. (نوٹ) ان کا پیسہ بھی حرام ہے تاریخ ایسے جعلی عالم فاضل صاحبان کی کہانیوں سے بھری پڑی ہے کیونکہ یہ مذہب کو اپنی جگہ استعمال کرتے ہیں لہٰذا ان کا پردہ چاک کرنا بہت ضروری ہے. قرآن کی روح میں باہر سے کوئی قانون گھڑنے کی ضرورت ہی نہیں قرآن ان لوگوں کے خلاف نیوٹرون بم ہے یہ بھی ایک جہاد ہے فی سبیل اللہ۔ یہ صاحبان اللہ تعالیٰ کے حکم سے دور بھاگتے ہیں قرآن کی ہدایات بالکل صاف اور واضح ہیں کہ اگر مسلمان زر اور دولت سمیٹنے کی کوشش کریں تو دوزخ میں دھکیل دیئے جائیں گے سورۃ التکاثر ۱۰۲، اور قرآن میں مزید بارہ سے زائد دفعہ یہ حکم دہرایا گیا ہے، لیکن یہ لوگ اللہ کی راہ میں نہیں خرچ کرتے اور غریبوں کو کچھ بھی نہیں دیتے بلکہ مزدوری بھی بہت تنگ ہاتھ سے دیتے ہیں اسلام میں حرام کی دولت جو رشوت زنی، بلیک مارکیٹنگ، ٹیکس چوری اور اسمگلنگ وغیرہ سے کمائی ہو اس کے لئے تو گنجائش ہی نہیں ہے سب دولت اللہ تعالیٰ کی ہے اور پھر تمام مسلمانوں کی ہے جس کو بہترین طریقے سے صرف اسلامی ریاست ہی کنٹرول کر سکتی ہے کیا یہ جماعت ایسے کرنے کو تیار ہے اسلام کو نہ خریدا جا سکتا ہے نہ بیچا جا سکتا ہے جیسے کوثر نیازی کر رہے ہیں ان لوگوں پر سورۃ توبہ ۹ صحیح چسپاں ہوتا ہے خاص کر آیت نمبر ۳۱، اور ۶۷، خداوند تعالیٰ نے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو انسانیت کے لیئے بطور رحمت نازل فرمایا ان کی تعلیمات پر نکتہ چینی کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے احکامات پر اعتراض کرنا ہے اس لیئے ایسے لوگوں کو اسلام سے خارج کر دیا جائے.

جی کے خٹک - لاہور۔

اُف یہ سناٹا

سال گزشتہ کا ذکر ہے ہم بیٹھے تھے یہی سائل تھے فکر و نظر پہ پہرے تھے کہ اہل کراچی نے اہل لاہور کو تحفہ بھیجا تھا مناسب ہو گا کہ یہ تحفہ اب واپس کر دیا جائے کہ اب مسائل پیچیدہ تر ہیں اور فکر و نظر کی عزت و حرمت سر بازار لٹ چکی ہے اللہ رے سناٹا آواز نہیں آتی. گلشن پہ کہیں لبرئے دمساز نہیں آتی. مہیب تاریکی اور سناٹا ہمارا مقدر بن گیا ہے. کیا اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ گھر میں بیٹھ کر گوشہ تنہائی بچھایا جائے اور اپنی دنیا علیحدہ بسائی جائے

؎ اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

شبیر احمد بھٹی - لاہور -

عوام اور معراج

معراج محمد خان پاکستان کے سیاسی افق کا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے اور روز بروز اس کی چمک بڑھتی چلی جائے گی. اور پورا سیاسی افق صرف اس تارے سے روشن ہو گا. کیونکہ معراج بات کرتا ہے "غریب عوام کی، ان کے اصل مسائل کی، وہ ہمدرد ہے تو مجبوروں کا، وہ ساتھی ہے تو مزدوروں کا، وہ عوام کے دلوں کی بات کہتا ہے وہ عوام کے لیئے اس نظام کی بات کرتا ہے جو ان مظلوموں کا اپنا نظام ہے اسے دوسرے نام نہاد لیڈروں کی طرح کار کوٹھی یا کسی عہدے کا لالچ نہیں اس کی ساری جدوجہد صرف اور صرف استحصالی طبقے کے خلاف ہے وہ دشمن ہے تو جاگیرداروں کا محنت کا معاوضہ ادا نہ کرنے والوں کا ظلم کرنے والوں کا اور یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے غریب عوام اسے اپنا سچا ہمدرد غمگسار مانتے ہیں وہ اس سے بڑی توقعات قائم کیئے بیٹھے ہیں اور ان کی تمام امیدوں کا محور وہی ہے انہوں نے اپنے کردار و عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ انقلاب کی صحیح رہنمائی وہی کر سکتا ہے ایسا انقلاب کہ جس سے عوام کو جاگیرداروں سرمایہ داروں، سامراجی ایجنٹوں، جمہوریت کے دشمنوں قاتلوں اور لیٹروں کی لوٹ و ظلم سے نجات ملے اور ایک فلاحی معاشرے کا قیام عمل میں آ سکے تمام انقلاب پسند اس انقلاب میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیئے تیار ہیں اور وہ مظلوم عوام کے ساتھ ہیں.

خان رہبر افغانی - کراچی.

چادر اور چہار دیواری

ہم متعدد بار ضلعی انتظامیہ کے نوٹس میں لا چکے ہیں. مگر شنوائی نہیں ہوئی۔ کیونکہ ضلعی انتظامیہ مقامی جاگیرداروں (نوابزدگان کالا باغ) کے مفادات کی ضامن اور محافظ ہے. چند دن ہوئے گورنمنٹ مڈل گرلز اسکول کی ایک طالبہ اسکول ٹائم کے بعد گھر جانے کے لیئے اسکول سے باہر نکلی تو اسکول کے بالمقابل حاجی ملک شیر محمد کے ماموں زاد (نوابزدگان کالا باغ) کا بنگلہ ہے ملک شیر محمد کے ایک صاحبزادے نے طالبہ کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے. ملک صاحب کے شریف صاحبزادے اکثر قوم کی بے کس مجبور بیٹیوں کے ساتھ یہ سلوک کرتے رہتے ہیں ہم اسکول کی غیرت مند طالبات نظام مصطفےٰ کے داعی جنرل ضیاء الحق سے اپیل کرتی ہیں کہ ان غنڈوں کا محاسبہ فوری ہونا چاہیئے

کل اگر کوئی بیٹی سر راہ لٹ گئی تو پھر نتائج و حالات کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہو گی.

چند طالبات
گورنمنٹ گرلز مڈل اسکول کالا باغ.

بھٹو کے حریف

بھٹو کو پھانسی دینے سے متعلق بعض حلقے اس قسم کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ اس سے قانون کی بالادستی کی بہترین مثال قائم ہو گی. انصاف کا بول بالا ہو گا دوسروں کو نصیحت اور عبرت ہو گی. اور شاید آئندہ کوئی حکمران سیاسی قتل نہیں کرے گا. لیکن حقیقت یہ ایسا نہیں ہے. بھٹو کے دور میں ایک نواب ہی قتل نہیں ہوا تھا بلکہ کراچی میں سائٹ اور لانڈھی میں مزدوروں کا قتل ہوا تھا مولوی نذیر احمد، مولوی شمس الحق، اسد اللہ مینگل مزدور رہنما عبدالرحمان شہید کے قتل بھی اسی دور میں ہوئے تھے جس طرح ایک نواب کے قتل کی تحقیقات کرائی گئیں اور اس میں بھٹو کے علاوہ کئی دوسرے بااثر افراد بھی عوام کے سامنے آئے اسی طرح ان حلقوں کو یہ مطالبہ بھی کرنا چاہیئے کہ ان تمام واقعات کی تحقیقات ہونی چاہیئے. پھر یہ دعویٰ کیا جا سکتا تھا کہ واقعی قانون کی بالادستی اور انصاف کے تقاضے پورے ہوئے ہیں. لیکن ان تمام واقعات اور حال ہی میں ملتان میں مزدوروں کے قتل عام اور تحقیقات کا مطالبہ نہ کرنا یا اس پر بالکل خاموش رہنے سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ بھٹو کو قتل کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک مضبوط سیاسی حریف اپنے راستے سے ہٹانے کے لیئے پھانسی دینے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اس طرح دوسری طرف وہ تمام لوگ جو ان دوسرے قتل اور عام قتل کے واقعات میں برابر کے شریک ہیں ان کے چہروں پر نقاب پڑی رہے گی اور دنیا یہ کہے گی یہ کیسا انصاف ہے کہ کچھ لوگوں کے جرائم پر پردہ پوشی کرنے کے لیئے ایک آدمی کی جان لے لی جائے.

حق نواز خان، عبدالسلام - ہزارہ

Regd. No. S-2772
Weekly "Al-Fatah" Karachi

اصولوں پر
کوئی سمجھوتہ
نہیں ہوگا

منہاج برنا